دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

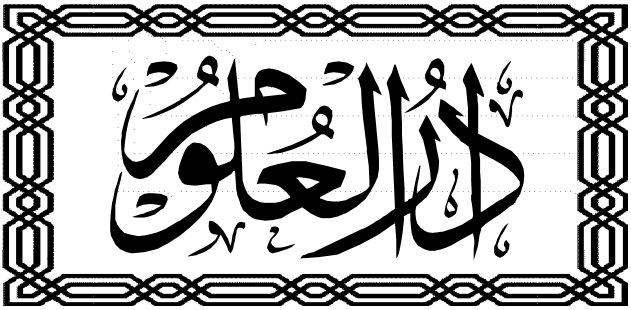

جلد: ۹۹	رجب ۱۴۳۶ھ مطابق مئی ۲۰۱۵ء	شمارہ: ۵

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۲۰ روپئے، سالانہ -/۲۰۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Abul-Qasim Numani, Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	سلام کا پیغام — قرآن کی روشنی میں	مفتی محمد تبریز عالم قاسمی	۶
۳	صنف نازک کے ساتھ نبی رحمت ﷺ کا برتاؤ	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۷
۴	شریعت اسلامیہ میں مرد وعورت کے لیے ''غض بصر'' کے حکم کا تحقیقی جائزہ	غازی عبدالرحمٰن قاسمی	۲۳
۵	تحریک استشراق کی حقیقت اور استشراقی لٹریچر کے اثرات	حافظ سیف الاسلام	۳۹

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

ہندوستانی سماج اس وقت جس کربناک دور سے گذر رہا ہے، گذشتہ صدیوں میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی، تہذیب حاضر کے بطن سے عیش کوشی نے جنم لیا، جس سے سیاسی، اقتصادی وغیرہ خرابیاں پیدا ہوئیں، اقرباپروری نے نسلی امتیاز کو جنم دیا، جس نے ذات پات کی تفریق، علاقائی تعصب اور فرقہ واریت جیسے سنگین اور سلگتے مسائل پیدا کیے، سرکاری سرمایہ کے غبن اور گھوٹالوں کے ذریعہ بڑے سیاسی لوگ دیکھتے دیکھتے ارب پتی، کھرب پتی بن گئے، جو باقی رہ گئے وہ بھی اس بہتے دریا میں غوطہ زنی کے لیے بیتاب ہیں، مفاد پرستی وخودغرضی سیاسی مزاج بن گیا ہے، اقتدار حاصل کرنا اور اس کے لیے جائز وناجائز ہتھکنڈے اختیار کرنا اور کرسی اقتدار سے چپکے رہنے کے لیے جھوٹ، فریب، دھوکہ، ودغابازی گویا ایک فن بن گیا ہے، سیاسی عناصر کی اس بے راہ روی سے عوام کی مایوسی خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے اور یہ تاثر عام ہوتا جارہا ہے کہ سماج کی ساری برائیوں کی جڑ سیاستدانوں کی یہی ہوسِ اقتدار ہے، جس نے جرائم اور سیاست کی حدوں کو اس طرح باہم خلط ملط کردیا ہے کہ دونوں کے امتیازات ختم ہوگئے ہیں۔ اس صورتِ حال کے مختلف کرداروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) یہ گروہ بظاہر سیکولرزم پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے؛ جبکہ اس کے طویل دور اقتدار کے عملی مظاہرے اس کی فرقہ نوازی اور مخصوص طبقہ کی بہبود وترقی کے اقدامات، نیز ایک خاص طبقہ کو پیچھے ڈھکیلنے کی روش صبح روشن کی طرح نمایاں ہے، موجودہ نسل کو اس سیاسی قوت کا سب سے بڑا تحفہ، اسکنڈل کی سیاست ہے۔

(۲) یہ گروہ آج کی سب سے بڑی اور اقتدار پر قابض سیاسی طاقت ہے، جو منوسمرتی پر

مبنی ذات پات کے نظام کو برقرار رکھنے پر بضد ہے تاکہ عیش کوش طبقہ کو خادموں کی کمی نہ رہے، اس کی سب سے بڑی دین نسلی فسادات اور فرقہ وارانہ منافرت ہے جس کی وجہ سے ملک کے دو بڑے طبقوں میں ناقابل عبور خلیج پیدا ہوگئی ہے، ہندوستان کے قدیم مزاج اہنسا اور رواداری کے برخلاف جارحیت اور تشدد اس کا طرۂ امتیاز ہے۔

(۳) یہ گروہ فرقہ وارانہ رواداری اور قومی یکجہتی پر یقین رکھتا ہے، سماجی انصاف اس کا سب سے بڑا نعرہ ہے، یہ گروہ اگرچہ مذکورہ بالا سیاسی طاقتوں سے تعداد اور قوت میں کمتر ہے؛ لیکن بہرحال بے اثر نہیں ہے۔

ان تینوں گروہ کے علاوہ ایک قوت اور بھی ہے، جسے آزادی کیوقت ہی سے حاشیہ پر ڈال دینے کی پالیسی پر عمل جاری ہے؛ مگر بہ چند وجوہ اس کے وجود کا احساس سب کو ہے، یہ گروہ ملکی معاشرہ کو عدل وانصاف اور مساوات واخوت کی بنیادوں پر استوار کرنے کا خواہشمند ہے، یہ مذہب ونسل کے امتیاز کو مٹا کر محبت واخوت کی جہانگیری چاہتا ہے، اس کا نظریہ ہے کہ سارے انسان ایک آدم کی اولاد ہیں، یہ قوت اگرچہ اقلیت میں ہے؛ مگر اس کے نظریہ کی صداقت وجاذبیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ اسلام کے علمبرداروں کا طبقہ ہے۔

موجودہ صورتِ حال میں یہ اقلیتی طبقہ کیا ہندوستانی سماج میں صالح انقلاب لانے کی پوزیشن میں ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے سے پہلے اسلام کی آمد سے قبل ہندوستانی سماج پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہوگا:

ساتویں صدی عیسوی میں جبکہ عرب تاجروں کے توسط سے اسلام کا پیغام ہندوستان پہنچا، ذات پات کی تفریق کی شکار غیر ویدی ذاتوں کی حالت اس وقت کے سماج میں انتہائی خستہ تھی، یہ ذاتیں وہاں نہیں رہ سکتی تھیں جہاں اعلیٰ طبقے کے لوگ رہتے تھے؛ کیونکہ یہ اعلیٰ وبرتر طبقہ ان کے سایہ ہی سے ناپاک ہوجاتا تھا، ان کی حیثیت سماج میں جانوروں سے بھی کمتر تھی، توہم پرستی وتنگ نظری اور شدت پسندی اس وقت ہندوستانی سماج میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ ہندوستانی رواداری ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی تھی۔

ہندوستانی سماج کی اسی زبوں حالی میں اسلام کا پیغام جبر وجور کی تمازت میں جھلسے ہوئے انسانوں کے لیے سایۂ رحمت ثابت ہوا، اسلام کی امتیازی شان یہی ہے کہ اس کا پیغام آفاقی اور مساوات واخوت کی بنیادوں پر قائم ہے، خصوصی اختیارات وامتیازات کی اس کے یہاں کوئی

گنجائش نہیں، نماز ادا کرنے، روزہ و حج ادا کرنے، قرآن وحدیث پڑھنے میں کسی قسم کی تفریق نہیں، نماز و حج کا عمل اجتماعیت اور انسانی مساوات کا بے نظیر نمونہ ہے، اسلام میں کوئی مذہبی رہنما کوئی اچھا کام کرنے یا کسی عبادت کے بجالانے سے کسی مرد و عورت کو روک نہیں سکتا ہے، اسلام میں کوئی دیوتا، کوئی خادم، کوئی اشرف یا ارزل نہیں ہے، اس کے نزدیک عزت و شرافت کا مدار نسل و ذات پر نہیں؛ بلکہ نیک کردار و صالح اقدار پر ہے۔

اسلام کے یہ اور اسی جیسے دیگر دل کو چھونے والے اوصاف نے مالابار کے راجہ ''چیرامن پیرومل'' کو اپنی جانب متوجہ کیا اور وہ اسلام کے آغوش رحمت میں آ گیا، اس کے بعد تو گاؤں کے گاؤں اسلام کی انسانیت نوازی کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، کل تک جن پر عبادت گاہوں کے دروازے بند تھے، انھیں مسجدوں نے اپنی آغوش عزت میں لے لیا اور سب کو باعزت زندگی گذارنے کا اختیار مل گیا، عرضیکہ اسلام کے سچے پیروکاروں نے جہاں جہاں قدم رکھا وہاں وہاں زبردست سماجی انقلاب برپا ہوگیا اور ذات پات کی تفریق ختم ہوگئی، سب آپس میں بھائی بھائی ہوگئے، ان میں باہمی انسانی رشتے قائم ہوگئے اور لوگ آزاد کھلی فضا میں سانس لینے لگے۔

ہندوستانی سماج کے موجودہ کربناک مسائل کا حل جو کل تھا وہی آج بھی ہے، انسانیت کی فلاح، عالمی مساوات، سماجی انصاف ہی وہ نظریہ ہے جس کو اپنا کر انسان کو انسان کی غلامی اور چیرہ دستیوں سے نجات مل سکتی ہے، سماجی انصاف قائم ہوسکتا ہے؛ لہٰذا انسانیت کی نجات کے لیے اسی نظام حیات کو اپنانا ہوگا، اسی سے تفریق کی دیواریں منہدم ہوں گی، کمزوروں کو طاقتوروں کے ظلم سے چھٹکارا ملے گا، ملک وقوم کو فلاح ونجات ملے گی، ملک کے انصاف پسند طبقہ بالخصوص مسلمانوں کو اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے تیار ہوجانا چاہیے، یہی وقت کی آواز ہے، اگر اس آواز کو سنی ان سنی کردیا گیا تو جان لیجیے سماجی نابرابری اور ظلم وتشدد کا یہ عفریت ملک وقوم سب کو نگل جائے گا، حالات اگرچہ سخت ہیں؛ لیکن عزم جواں اور بلندیِ کردار کے آگے یقین جانئے یہ نرم پڑ جائیں گے۔

جوانو یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہوجائیں جو ہو عزم سفر پیدا

❁ ❁ ❁

سلام کا پیغام — قرآن کی روشنی میں

از: مفتی محمد تبریز عالم قاسمی
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

۱- وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبا. (النساء:۸۶)

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھیں الفاظ کو لوٹا دو؛ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور جوابِ سلام کے آداب بتائے ہیں:

حيّاهُ، تحيةً: کے اصل معنی ہیں: کسی کو زندگی کی دعا دینا، مثلاً: حيّاك اللّٰهُ (اللہ آپ کی عمر دراز کرے) کہنا، سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی چوں کہ کم وبیش یہی یا اسی سے ملتے جلتے مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں، اس وجہ سے لفظ کے عام مفہوم میں وہ سب اس کے اندر شامل ہوجاتے ہیں، اسلام نے حيّاك الله یا أنعم صباحاً جیسے طرزِ تحیہ کو بدل کر "السلام علیکم" کہنے کا طریقہ جاری کیا؛ چناں چہ جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں تحیہ سے مراد سلام کرنا ہے۔

صاحبِ روح المعانیؒ لکھتے ہیں:

وهي في الأصل كما قال الراغب: الدعاء بالحياة وطولها، ثم استعملت في كل دعاء، وكانت العرب إذا لقى بعضهم بعضا تقول: حياك الله تعالىٰ، ثم استعملها الشرع في السلام وهو تحية الإسلام. (روح المعانی:۱۰۰/۵)

آیت کا پس منظر

جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات کشیدہ تھے اور عموماً جب تعلقات کشیدہ ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں تلخ کلامی کی نوبت نہ آجائے اور گفتگو میں کج روی یا کج خُلقی کی صورت نہ ہوجائے، ان دونوں باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ تم باہم ملو، تب بھی شائستہ انداز ہونا چاہیے، پیار ومحبت کا برتاؤ ہونا چاہیے اور دوسروں

سے ملوتب بھی تہذیب واخلاق کے دائرے میں رہنا چاہیے، دوسرے احترام سے پیش آئیں تو تم بھی اس کے جواب میں زیادہ احترام سے پیش آؤ، شائستگی کا جواب، شائستگی ہو، ترش روئی تمہارے منصب کے خلاف ہے، مسلمان دنیا کے لیے داعی ہیں، ان کو تو دوسروں سے بڑھ کر مہذب وشائستہ ہونا چاہیے، سخت کلامی اور دُرشتی سے نفس کی تسکین بھلے ہوجائے؛ لیکن ساتھ ہی وہ شخص نظروں سے گر جاتا ہے اور اس کے کاز کو نقصان پہنچتا ہے۔ (تفسیر انوار القرآن: ۳۱۸/۲)

اس آیت میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے، اور حسنِ اخلاق ومعاشرت کی اس اصل پر زور دیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص تمہیں سلام کرے، تو چاہیے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے، اس سے بہتر طور پر اس کا جواب دو، اور اگر بہتر طور پر نہ دو تو کم از کم اسی کی بات اس پر لوٹا دو، یہ حکم یہاں اس مناسبت سے آیا کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی، منافق ہو یا ایمان دار؛ لیکن جو کوئی بھی تم پر سلامتی بھیجے، تمہیں بھی اس کا ویسا ہی جواب دینا چاہیے، اس کے دل کا حال خدا جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ (تفسیر ترجمان القرآن: ۳۸۲/۱)

اس آیت سے ثابت شدہ مسائل واحکام ان شاء اللہ ''مسائل واحکام'' کے تحت لکھے جائیں گے۔

۲- يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا. (النور: ۲۷)

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو؛ جب تک اجازت حاصل نہ کرولو (اور اجازت لینے سے پہلے) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔

یعنی اول باہر سے سلام کرکے پھر ان سے پوچھو کہ کیا ہمیں اندر آنے کی اجازت ہے اور بغیر اجازت لیے ایسے ہی مت داخل ہو، یعنی کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے دو کام کرنا ضروری ہیں اول کام استیناس یعنی اجازت لینا اور دوسرا گھر والوں کو سلام کرنا۔

۳- فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً. (النور: ۶۱)

جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو مسلمان ہوں ان کو) سلام کرلیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے) اور جو خدا کی طرف سے متعین ہے۔ اس آیت میں گھریلو معاشرت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ آمد ورفت کے وقت اہل خانہ کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہیے۔

۴- وَإِذَا جَاءكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ. (الانعام: ۵۴)

اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان کو

سلام علیکم کہیے۔

یعنی ان کو سلام کرکے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں، فأکرمھم برد السلام علیھم. (تفسیر ابن کثیر:۱۳۶/۲)

مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

یہاں سلام علیکم کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ ان کو اللہ جل شانہ کا سلام پہنچا دیجیے، جن میں ان لوگوں کا انتہائی اعزاز واکرام ہے، اس صورت میں ان غریب مسلمانوں کی دل شکنی کا بہترین تدارک ہوگیا، جن کے بارے میں رؤسارِ قریش نے مجلس سے ہٹا دینے کی تجویز پیش کی تھی اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کو سلامتی کی خوش خبری سنا دیجیے، کہ اگر ان لوگوں سے عمل میں کوتاہی یا غلطی بھی ہوئی ہے تو وہ معاف کردی جائے گی، اور یہ ہر قسم کی آفات سے سلامت رہیں گے۔(معارف القرآن:۳۴۷/۳)

۵- وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً. (النساء:۹۴)

اورتم سے سلام کہے تو اسے یہ مت کہو کہ تو ایمان والا نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مسلمانوں کا دستہ بنو سُلیم کے ایک آدمی سے ملا، تو اس آدمی نے مسلمانوں کو "السلام علیکم" کہا، مسلمانوں نے کہا: کہ اس نے جان بچانے کے لیے مسلمانوں والا سلام کیا ہے؛ چناں چہ اسے قتل کرکے اس کی بکریاں ساتھ لے آئے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر ابن کثیر:۵۳۹/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سلام، اسلام کی نشانی ہے اور جو شخص اسلامی سلام کرے، اسے قتل کرنا جائز نہیں؛ بلکہ اسے مسلمان تصور کیا جائے گا، اس کے دل کا حال خدا جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔

۶- هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ. إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَاماً قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ. (الذاریات:۲۴،۲۵)

کیا آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر (بھی) پہنچی ہے؟ وہ جب ان کے یہاں آئے تو سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب میں) سلام کہا اور (کہا) یہ اجنبی لوگ ہیں۔

ایک نکتہ: حضرت ابراہیمؑ اور فرشتوں کی باہمی ملاقات میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ

فرشتوں نے ''سلاماً'' نصب کے ساتھ کہا؛ جب کہ خلیل اللہ نے جواب میں ''سلامٌ'' رفع کے ساتھ کہا، اس کی وجہ ابن کثیر یہ بتاتے ہیں کہ رفع ،نصب سے اقوی اور زیادہ بہتر ہے؛ کیوں کہ سلام کے مرفوع ہونے کی صورت میں یہ جملہ اسمیہ بنا؛ جس میں دوام واستمرار اور پائیداری ہوتی ہے اور سلاماً نصب کی صورت میں جملہ فعلیہ بنا سلمت سلاما، جو حدوث وتجدُّد پر دلالت کرتا ہے، تو جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے کہ سلام کا جواب، سلام کرنے والے کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں ہو، حضرت خلیل اللہ نے اس کی تعمیل فرمائی، اس کی مزید تفصیل ''رموزِ سلام'' کے تحت آئے گی۔ (ابن کثیر: ۲۳۶/۴)

۷- تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْراً كَرِيماً. (الاحزاب: ۴۴)

جس دن مومنین کاملین اپنے رب سے ملاقات کریں گے، ان کا تحیہ سلامٌ ہوگا اور اللہ نے ان کے واسطے بڑا اچھا اجر تیار کر رکھا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحبؒ لکھتے ہیں:

یہ اسی صلاۃ کی توضیح وتفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندوں پر ہوتی ہے، یعنی جس روز یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو اس کی طرف سے ان کا اعزازی خطاب، سلام سے کیا جائے گا، یعنی السلام علیکم، کہا جائے گا، اللہ تعالیٰ سے ملنے کا دن کون سا ہوگا؟ امام راغب وغیرہ نے فرمایا کہ مراد اس سے روز قیامت ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ جنت میں داخلے کا وقت مراد ہے؛ جہاں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام پہنچے گا اور سب فرشتے بھی سلام کریں گے، اور بعض حضرات مفسرین نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کا دن موت کا دن قرار دیا ہے کہ وہ دن سارے عالم سے چھوٹ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دن ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ملک الموت جب کسی مومن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو اول اس کو یہ پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کیا ہے، اور لفظ لقاء ان تینوں حالات پر صادق ہے؛ اس لیے ان اقوال میں کوئی تضاد وتعارض نہیں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلام تینوں حالات میں ہوتا ہو۔ (روح المعانی)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا باہم ایک دوسرے کو تحیہ لفظ ''السلام علیکم'' ہونا چاہیے، خواہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کے لیے ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کے لیے ہو۔ (معارف القرآن: ۱۷۶/۷)

علامہ قرطبیؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن بندے کی روح قبض کرنے سے پہلے ملک الموت، اسے خود سلام کرتے ہیں۔

وقد ورد أنه لا يقبض روح مؤمن إلا سلم عليه، روي عن البراء بن عازبؓ قال: "تحيتهم يوم يلقونه سلم" فيسلم ملك الموت على المؤمن عند قبض روحه، لا يقبض روحه حتى يسلم عليه. (مختصر تفسیر القرطبی:۳/۴۷۹)

اب کل چار اقوال ہوگئے۔

۸- وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَاماً. (الفرقان:۷۴)

یعنی جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ، ان کو (مومنین) کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے اور سلام کریں گے۔ (معارف القرآن ۶/۴۹۸)

۹- لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْواً وَلَا تَأْثِيماً. إِلَّا قِيلاً سَلَاماً سَلَاماً. (الواقعۃ:۲۵،۲۶)

(اور) وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ وہ کوئی اور بے ہودہ بات (سنیں گے، یعنی شراب پی کر یا ویسے بھی ایسی چیزیں نہ پائی جاویں گی جن سے عیش مُکدَّر ہوتی ہے) بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آوے گی.... (جو کہ دلیل، اکرام واعزاز کی ہے، غرض روحانی وجسمانی ہر طرح کی لذت ومسرت اعلیٰ درجہ کی ہوگی) (معارف القرآن:۸/۲۶۷)

سورہ واقعہ کی ابتدائی آیات میں، میدانِ حشر میں حاضرین کی جو تین قسمیں ہوں گی، ان میں سے ''سابقین'' کے لیے بہت ساری نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ وہ لوگ ہر طرف سلام کے ترانے سنیں گے، جو رحمت اور محبت کی نشانی ہے اور غالباً اسی وجہ سے جنت کا ایک نام ''دار السلام'' بھی ہے۔

۱۰- سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. (الرعد:۲۴)

سورہ رعد کی آیات ۲۰ تا ۲۴ میں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کی نو صفات کا تذکرہ ہے، اس کے بعد ان کی جزاء کا بیان ہے، اخیر میں، دارِ آخرت میں ان کی فلاح وکامیابی کا مزید بیان یہ ہے کہ فرشتے ہر دروازے سے ان کو سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے اور کہیں گے: تمہارے صبر کی وجہ سے تمام تکلیفوں سے سلامتی ہے اور کیسا اچھا انجام ہے دارِ آخرت کا۔

۱۱- سَلَامٌ قَوْلاً مِن رَّبٍّ رَّحِيمٍ. (یس:۵۸)

اور ان کو (اہل جنت) پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا (یعنی حق تعالیٰ

فرمائیں گے السلام علیکم یا أهل الجنة (رواه ابن ماجة) (معارف القرآن: ۴۰۰/۷)

۱۲- تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ. (یونس:۱۰)

(پھر جب (اہل جنت) ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم.

اس آیت میں اہل جنت کا حال بتایا گیا ہے کہ تحیتهم فیها سلٰم، تحیہ عرف میں اس کلمہ کو کہا جاتا ہے، جس کے ذریعہ کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا ''خوش آمدید'' یا "أهلا وسهلا" وغیرہ، اس آیت نے بتادیا کہ اللہ جلّ شانہ کی طرف سے یا فرشتوں کی طرف سے اہل جنت کا تحیہ لفظ سلام سے ہوگا، یعنی یہ خوش خبری کہ تم ہر تکلیف اور ناگوار چیز سے سلامت رہو گے، یہ سلام خود حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے جیسے سورہ یس: ۵۸ میں ہے سَلَامٌ قَوْلًا مِن رَّبٍّ رَّحِيمٍ اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: والملئكة يدخلون عليهم من كل باب سلم عليكم یعنی فرشتے اہل جنت کے پاس ہر دروازہ سے سلام علیکم کہتے ہوئے داخل ہوں گے اور ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ کسی وقت براہ راست اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے اور کسی وقت فرشتوں کی طرف سے اور سلام کا لفظ اگرچہ دنیا میں دعا ہے؛ لیکن جنت میں پہنچ کر تو ہر مطلب حاصل ہوگا؛ اس لیے وہاں یہ لفظ دعا کے بجائے خوشی کا کلمہ ہوگا۔ (روح المعانی) (معارف القرآن: ۵۱۲/۴)

۱۳- وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ. (الزمر:۷۳)

یعنی جب متقی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو محافظ فرشتے ان سے کہیں گے السلام علیکم تم پر سلامتی ہو، تم مزے میں رہو، پس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوجاؤ! یعنی ان جنتی مہمانوں کے سر پر عزت وشرافت کا یہ زریں تاج لامحدود زمانے تک کے لیے باندھ دیا جائے گا اور اہل جنت کا یہ استقبال ایک تاریخ ساز استقبال ہوگا، اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے مرحلہ پر خطبۂ استقبالیہ کے قائم مقام یہ الفاظِ سلام ہی قابلِ ترجیح سمجھے گئے، آخر کیوں؟ یقیناً اس میں کوئی خصوصی تاثیر اور معنویت کا عنصر چھپا ہوا ہے؛ جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

۱۴- وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَن سَلَامٌ عَلَيْكُمْ. (الاعراف:۴۶)

مذکورہ آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو جہنم سے تو نجات پا گئے؛

مگر ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے؛ البتہ اس کے امیدوار ہیں کہ وہ بھی جنت میں داخل ہوجائیں، ان لوگوں کو اہل اعراف کہا جاتا ہے۔

اب اصل آیت کا مضمون دیکھیے، جس میں ارشاد ہے: اہل اعراف اہلِ جنت کو آواز دے کر کہیں گے (سلامٌ علیکم) یہ لفظ دنیا میں بھی باہمی ملاقات کے وقت بطورتحفہ واکرام کے بولا جاتا ہے اور مسنون ہے اور بعد موت کے، قبروں کی زیارت کے وقت بھی، اور محشر اور جنت میں بھی؛ لیکن آیات اور روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں السلام علیکم کہنا مسنون ہے اور اس دنیا سے گذرنے کے بعد بغیر الف لام کے سلامٌ علیکم کا لفظ مسنون ہے، زیارتِ قبور کا جو کلمہ قرآن مجید میں مذکور ہے، وہ بھی سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار آیا ہے اور فرشتے جب اہلِ جنت کا استقبال کریں گے اس وقت بھی یہ لفظ اسی عنوان سے آیا ہے، سلامٌ علیکم طبتم فادخلوھا خالدین اور یہاں بھی اہل اعراف اہل جنت کو اسی لفظ کے ساتھ سلام کریں گے۔(معارف القرآن:۳/۷۶۸)

۱۵- لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (الانعام:۱۲۷)

یعنی جو لوگ قرآنی ہدایات قبول کرنے والے ہیں، ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے، ان کے رب کے پاس۔

اس آیت میں صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لیے ثمرہ کا بیان ہے کہ ان کے واسطے دارالسلام ہے؛ اسی لیے دخولِ جنت کے وقت ہی انھیں سلامتی کا پیغام سنا دیا جائے گا اور کہا جائے گا ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ. (الحجر:۴۶)

حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

> اس آیت میں لفظ دار کے معنی گھر اور سلام کے معنی تمام آفتوں، مصیبتوں اور محنتوں سے سلامتی کے ہیں، اس لیے دارالسلام اس گھر کو کہا جاتا ہے، جس میں کسی تکلیف ومشقت اور رنج وغم اور آفت ومصیبت کا گذر نہ ہو اور وہ ظاہر ہے کہ جنت ہی ہوسکتی ہے۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ ''السلام'' اللہ جل شانہ کا نام ہے اور دارالسلام کے معنی ہیں اللہ کا گھر اور ظاہر ہے کہ اللہ کا گھر امن وسلامتی کی جگہ ہوتی ہے؛ اس لیے حاصل معنی پھر یہی ہوگئے کہ وہ گھر جس میں ہر طرح کا امن وسکون اور سلامتی واطمینان ہو، جنت کو دارالسلام فرماکر اس طرف اشارہ کردیا کہ جنت ہی صرف وہ جگہ ہے جہاں انسان کو ہر قسم کی تکلیف، پریشانی

اور اذیت اور ہر خلافِ طبع چیز سے مکمل اور دائمی سلامتی حاصل ہوتی ہے، جو دنیا میں نہ کسی بڑے بادشاہ کو کبھی حاصل ہوئی اور نہ بڑے سے بڑے نبی ورسول کو؛ کیوں کہ دنیائے فانی کا یہ عالم ایسی مکمل اور دائمی راحت کا مقام ہی نہیں۔

.....اور رب کے پاس ہونے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ دارالسلام یہاں نقد نہیں ملتا؛ بلکہ جب وہ قیامت کے روز اپنے رب کے پاس جائیں گے اس وقت ملے گا، اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ دارالسلام کا وعدہ غلط نہیں ہوسکتا، رب کریم اس کا ضامن ہے وہ اس کے پاس محفوظ ہے، اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس دارالسلام کی نعمتوں اور راحتوں کو آج کوئی تصور میں بھی نہیں لاسکتا، رب ہی جانتا ہے جس کے پاس خزانہ محفوظ ہے۔ (معارف القرآن: ۳/ ۴۴۸)

مذکورہ آیات میں سلام کا تذکرہ، بطور تحیہ کے تھا اور عام طور سے مومنین کاملین کے لیے استعمال ہوا ہے، یا ادب وتہذیب سکھانے کے لیے؛ اس کے علاوہ قرآن میں یہ کلمہ انبیاء ورسل کے لیے بھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال کیا گیا ہے؛ جس میں عنایت وتوجہ اور محبت کا رس بھرا ہوا ہے، وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۶- وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيّاً. (مریم:۱۵)

اور سلام پہنچے ان پر (حضرت یحییٰ) جس دن وہ پیدا کیے گئے اور جس دن دنیا سے رخصت ہوں اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہوکر اٹھائے جائیں۔

یعنی حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام ایسے وجیہ اور مکرم تھے کہ ان کے حق میں، منجانب اللہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے، جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہوکر اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تین اوقات میں سلامتی کی دعا جو دی گئی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تینوں اوقات میں انسان انتہائی ضعیف اور ضرورت مند ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے نصرت، مدد اور سلامتی کا خواہاں ہوتا ہے، پیدائش کا وقت، موت کا وقت بڑا نازک ہوتا ہے اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت کی نزاکت کا کیا پوچھنا! (بدائع الفوائد: ۲/ ۱۶۸)

علامہ طبریؒ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں ''سلام'' سے مشہور ومتعارف سلام مراد نہیں ہے؛ بلکہ یہ سلام امن وامان کے معنی میں ہے؛ لیکن ابن عطیہ نے اس رائے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اظہر قول یہ ہے کہ یہاں سلام سے وہی متعارف تحیہ مراد ہے، اور امن وامان کے مقابلہ میں

یہ معنی زیادہ بہتر اور قرینِ قیاس ہے؛ کیوں کہ امن وامان کا مفہوم تو حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے عصیان کی نفی کر کے حاصل ہوجاتا ہے، شرف وسعادت تو اس میں ہے کہ اللہ انھیں سلام کریں۔ (القرطبی: ۵۸/۳)

۱۷- سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ. (الصافات: ۷۹)

اور ہم نے ان کے لیے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو دنیا والوں میں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے، ان کی نظر میں حضرت نوح کو ایسا معزز ومکرم بنادیا کہ وہ قیامت تک حضرت نوح علیہ السلام کے لیے سلامتی کی دعا کرتے رہیں گے؛ چناں چہ واقعہ بھی یہی ہے کہ تمام وہ مذاہب جو اپنے آپ کو آسمانی کتابوں سے منسوب کرتے ہیں، سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت اور تقدس کے قائل ہیں، مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور نصرانی بھی آپ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ (معارف القرآن: ۴۴۴/۷)

۱۸- سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ. (الصافات: ۱۰۸، ۱۰۹)

سلام ہو ابراہیم پر!

۱۹- سَلَامٌ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ. (الصافات: ۱۲۰) سلام ہے موسیٰ وہارون پر۔

۲۰- سَلَامٌ عَلَى إِلْيَاسِينَ. (الصافات: ۱۳۰)

سلام ہے الیاس پر۔

۲۱- وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. (الصافات: ۱۸۱) اور سلام ہے رسولوں پر۔

شروع میں اللہ تعالیٰ نے کچھ پیغمبروں کے اسماء کی صراحت کر کے سلام بھیجا ہے اور اخیر آیت میں "المرسلین" کا لفظ استعمال کر کے جملہ انبیاء ورسل پر سلامتی بھیجی ہے؛ چناں چہ اس کا اثر دنیا میں یہ ظاہر ہوا کہ جب بھی انبیاء ورسل کے نام آتے ہیں، مسلمان اُن کے ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" کا اضافہ کرتے ہیں، اِس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو لوگوں کی دعاؤں اور سلامتی کی بشارتوں کا مرکز بنادیا۔

۲۲- قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (النمل: ۵۹)

انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے کچھ حالات اور ان پر عذاب آنے کے واقعات کا ذکر

کرنے کے بعد یہ جملہ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کی امت کو دنیا کے عذابِ عام سے مامون کر دیا گیا ہے، اور انبیاء سابقین اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجئے۔

جمہور مفسرین نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے اور بعض نے اس کا مخاطب بھی حضرت لوط علیہ السلام کو قرار دیا ہے، اس آیت میں الَّذِیْنَ اصْطَفٰی کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں؛ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وسلٰمٌ علی المرسلین اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ ہیں، سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (أخرجه عبد بن حميد والبزاز وابن جرير وغيرهم)

اگر آیت میں الذین اصطفٰی سے مراد صحابۂ کرام لیے جائیں جیسا کہ ابن عباس کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لیے انہیں "علیه السلام" کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے؛ کہ وہ اللہ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود وسلام سے شروع ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے؛ بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام مسنون ومستحب ہے، کذا فی الروح۔ (معارف القرآن: ۵۹۲/۶)

۲۳- قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلَاماً عَلَى إِبْرَاهِيمَ. (انبیاء: ۵۹)

ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا، ابراہیم کے حق میں (یعنی نہ ایسی گرم رہ جس سے جلنے کی نوبت آوے اور نہ بہت ٹھنڈی برف ہو جا کہ اس کی ٹھنڈک سے تکلیف پہنچے؛ بلکہ مثل ہوائے معتدل کے بن جا؛ چناں چہ ایسا ہی ہو گیا)

بردو سلام کا مفہوم

اوپر گذر چکا ہے کہ آگ کے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بردوسلام ہونے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ آگ، آگ ہی نہ رہی ہو؛ بلکہ ہوا میں تبدیل ہو گئی ہو؛ مگر ظاہر یہ ہے کہ آگ اپنی حقیقت میں آگ ہی رہی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آس پاس کے علاوہ دوسری چیزوں کو جلاتی رہی؛ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن رسیوں میں باندھ کر آگ میں ڈالا گیا تھا، اُن رسیوں کو بھی آگ ہی نے جلا کر ختم کیا؛ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن مبارک تک کوئی آنچ

نہیں آئی (كما في بعض الروايات)

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں سات روز رہے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی (مظہری) (معارف القرآن:۲۰۲/۶)

۲۴- سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ. (القدر:۵)

(اور وہ شبِ قدر) سراپا سلام ہے (جیسا کہ حدیث بیہقی میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے: کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور جس شخص کو قیام، قعود اور ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں تو اس پر صلاۃ بھیجتے ہیں یعنی اس کے لیے دعاءِ رحمت کرتے ہیں، اور خازن نے ابن الجوزی سے اس روایت میں، يسلّمون بھی بڑھایا ہے، یعنی سلامتی کی دعا کرتے ہیں، اور يصلون کا حاصل بھی یہی ہے؛ کیوں کہ رحمت وسلامتی میں تلازُم ہے، اسی کو قرآن میں سلام فرمایا ہے اور امرِ خیر سے مراد یہی ہے اور نیز روایات میں، اِس میں توبہ قبول ہونا، ابواب سماء کا مفتوح ہونا اور ہر مومن پر ملائکہ کا سلام کرنا آیا ہے، (كذا في الدر المنثور).... (اور) وہ شب قدر (اسی صفت وبرکت کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے۔

سلامٌ، عبارت کی اصل هي سلامٌ ہے، لفظ هي حذف کردیا گیا، معنی یہ ہیں کہ یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے، اس میں شر کا نام نہیں (قرطبی) اور بعض حضرات نے تقدیر عبارت سلام هو قرار دے کر اس کو من كل أمر کی صفت بنایا اور معنی یہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر لے کر آتے ہیں جو خیر وسلام ہے۔ (مظہری) (معارف القرآن:۷۹۴/۸)

راقم الحروف عرض گزار ہے: کہ ان تمام آیات اور اس کی تفاسیر سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ لفظ ”سلام“ راحت اور سلامتی کے حوالے سے ایک بحر بیکراں ہے، جس کی گہرائی وگیرائی اللہ کو ہی معلوم ہے اور اسی لیے یہ دعا اتنی اہم اور باعظمت سمجھی گئی، اس کے باوجود اگر کوئی سلام سے بے رخی برتے یا سلام کی اصلی شکل کو مسخ کرکے غیروں کی رَوِش اپنائے یا سلام کو جوں کا توں رکھے؛ مگر اس کے تقاضوں سے نابلد رہے تو یہ قابلِ افسوس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لمحۂ فکریہ ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سلام پھیلانے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

❁ ❁ ❁

صنف نازک کے ساتھ نبی رحمت ﷺ کا برتاؤ

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
وادیِ مصطفیٰ، شاہین نگر، حیدرآباد

جب نبی کریم ﷺ کو اللہ عزوجل نے ساری مخلوقات کے لیے ''نبی رحمت'' بنا کر بھیجا، تو آپ ﷺ کی شانِ رحیمی وکریمی اس ''صنفِ نازک'' پر کیوں سایہ فگن نہ ہوتی، جس کو دنیا ''آبگینہ'' جیسے لطیف ونازک شی، کے ساتھ تشبیہ دیتی ہے؛ بلکہ نرم اور نازک شی کے ساتھ دنیا والوں کی رعایت واہتمام بھی زیادہ ہوتا ہے تو آپ کے رحم وکرم سے ''عورت'' کیوں محروم ہوتی، آپ ﷺ کی تعلیمات میں عورت کی رعایت اوراس کی صنفی نزاکت کے ساتھ احکام موجود ہیں، موجودہ دور کا اس صنف نازک کے ساتھ یہ المیہ ہے کہ اس نے عورت کو گھر کی ''ملکہ'' کے بجائے ''شمع محفل'' بنادیا ہے، اس کی نسوانیت اور نزاکت کو تار تار کرنے کے لیے ''زینتِ بازار'' اور اپنی تجارت کے فروغ کا ''آلۂ کار'' اور ''ذریعہ'' بنادیا، عورت کے لیے پردہ کے حکم میں دراصل اس کی نزاکت کی رعایت ہی مقصود ہے کہ اسے مشقت انگیز کاموں سے دور رکھ کر اس کو درونِ خانہ کی صرف ذمہ داری سونپی جائے۔

اللہ عزوجل اپنے نبی رحمت ﷺ پر نازل کردہ کتاب میں عورتوں کے تعلق سے فرمایا ہے:
"عاشروھن بالمعروف" (اوران عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو)۔

آپ ﷺ کی صنف نازک کے بہترین برتاؤ کی تاکید

نبی کریم ﷺ نے صنف نازک کے ساتھ بہترین سلوک اور برتاؤ کی تاکید کی، خود آپ ﷺ بھی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اوران کے ساتھ حسن سلوک فرماتے۔

خود نبیِ کریم ﷺ نے بھی عورتوں کے ساتھ نیکی، بھلائی، بہترین برتاؤ، اچھی معاشرت کی تاکید فرمائی ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: تم میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں، اور میں تم میں اپنی خواتین کے ساتھ

بہترین برتاؤ کرنے والا ہو (ترمذی: کتاب المناقب: باب فضل ازواج النبی، حدیث: ۳۸۹۵)

اور ایک روایت میں نبیِ کریم ﷺ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں (مسلم: کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث: ۱۴۶۸)

اور ایک روایت میں نبیِ کریم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بہترین برتاؤ کو کمالِ ایمان کی شرط قرار دیا ہے، حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاقی برتاؤ (سب کے ساتھ) (اور خاص طور سے) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف ومحبت کا ہو۔ (المستدرك: كتاب الايمان: حديث: ۱۷۳)

بیویوں کے ساتھ آپ کا دوستانہ برتاؤ

حضورِ اکرم ﷺ کے اپنے ازواج کے ساتھ کس طرح بے تکلف، پر لطف اور دوستانہ تعلقات تھے اسکا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

❁ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو دونوں حالتوں کا علم مجھے ہوجاتا ہے، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! کس طرح علم ہوجاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو "لا وربّ محمد" (محمد کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو، اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو "لا ورب ابراھیم" (ابراہیم کے رب کی قسم) کے الفاظ سے قسم کھاتی ہو، اس وقت تم میرا نام نہیں لیتیں؛ بلکہ حضرت ابراہیم کا نام لیتی ہو، حضرت عائشہ نے فرمایا: (یارسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں) نام کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑتی (بخاری: كتاب الأدب: باب مايجوز من الهجران من عصى، حديث: ٦٠٧٨)

❁ ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت سودہؓ کے گھر میں تھے اور ان کی باری کا دن تھا، حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے لیے ایک حلوہ پکایا اور حضرت سودہؓ کے گھر پر لائیں اور لاکر حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دیا، اور حضرت سودہؓ بھی سامنے بیٹھی ہوئی تھیں، ان سے کہا کہ تم بھی کھاؤ، سودہؓ کو یہ بات گراں لگی کہ حضور ﷺ کا جب میرے یہاں باری کا دن تھا تو پھر یہ حلوہ پکا کر کیوں لائیں؟ اس لیے انھوں نے کھانے سے انکار کردیا، حضرت عائشہؓ نے حضرت سودہؓ کے منہ پر مل

دیا، حضرت سودہؓ نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں آیا ہے کہ "جزاء سیئة سیّئة مثلها "یعنی اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے تو تم بھی بدلے میں اسی کے بقدر برائی کرو؛ لہٰذا بدلہ میں تم بھی ان کے منہ پر حلوہ مل دو؛ چنانچہ حضرت سودہؓ نے تھوڑا سا حلوہ اٹھا کر حضرت عائشہؓ کے چہرے پر مل دیا، اب دونوں کے چہرے پر حلوہ ملا ہوا ہے، یہ سب حضور ﷺ کے سامنے ہو رہا ہے، اس دوران حضرت عمر کی آمد ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں کو منہ دھونے کو کہا(مسند ابی یعلی: مسند عائشه: حدیث:٤٤٧٦ ، دار المأمون، دمشق، مجمع الزوائد: باب عشرة النساء: حدیث: ٧٦٨٣)

❁ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی، اس کے بعد جب (موٹاپے) سے میرا جسم بھاری ہو گیا تو (اس زمانے میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے، اس وقت آپ نے فرمایا: یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہو گیا(ابو داؤد: کتاب الجهاد، باب فی السبق علی الرجل، حدیث: ٢٥٧٨)

❁ حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے بیان کرتی ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی نابالغ لڑکے مسجد میں نیزہ بازی کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ ان کا کھیل دکھانے کے لیے میرے لیے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے، (جو مسجد میں کھلتا تھا) میں آپ ﷺ کے کاندھے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپ ﷺ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے؛ یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا) اور میں خود ہی لوٹ آئی۔ (مسلم: باب الرخصة فی اللعبة اللتی لا معصیة فیه فی ایام العید: حدیث:٨٩٢)

❁ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نکاح ورخصتی کے بعد آپ کے پاس آجانے کے بعد بھی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری سہلیاں تھیں، جب حضرت گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے احترام میں کھیل چھوڑ کر) گھر کے اندر چھپتیں تو آپ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے اور میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔ (بخاری: باب الانبساط الی النّاس، حدیث: ٥٧٧٩)

عورت پر ظلم وزیادتی کی ممانعت

نبی کریم ﷺ نے صنف نازک کو مارنے پیٹنے یا اس کو کسی بھی قسم کی تکلیف دینے سے سختی

سے منع فرمایا: تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لیے اس کے پاس پہنچ جائے (بخاری: کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ضرب النساء، حدیث: ۲۹۰۸)

ایک دفعہ نبیِ کریم ﷺ سے بیویوں کے حقوق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اس کو کھلاؤ، اور جب تم پہنو تو اس کو پہناؤ، نہ اس کے چہرے پر مارو اور نہ برا بھلا کہو اور نہ جدائی اختیار کرو، اس کا موقع آ بھی جائے یہ گھر میں ہی ہو (ابوداؤد: کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا، حدیث: ۲۱۴۳)

آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو مارنے پیٹنے والوں کو خراب لوگ فرمایا: اپنی بیویوں کو مارنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں، (ابن حبان: باب معاشرۃ الزوجین، حدیث: ۱۴۸۹) اور خود نبیِ کریم ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا، (مسلم: باب مباعدتہ، حدیث: ۲۳۴۸)

عورت کے حقوق کی رعایت کی تاکید

جس طرح مرد یہ چاہتا ہے کہ بیوی اس کے لیے بناؤ سنگار کرے، اسی طرح مرد کو بھی عورت کے لیے بناؤ سنگار کرنا چاہیے، صاف ستھرا رہنا چاہیے!

ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لیے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے؛ چونکہ ارشادِ باری عزوجل ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: ۲۲۸) (اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا حق ان پر ہے دستور کے مطابق) میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ تو میری تمام حقوق کی ادائیگی کرے، حالانکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" (اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے) (السنن الکبریٰ للبیھقی: باب حق المرأۃ علی الزوج، حدیث: ۱۵۵۰۵) یعنی جس طرح مرد کو ہر اعتبار سے عورت پر فضیلت حاصل ہے، اسی طرح اسے اخلاق کے اعتبار سے بھی اس پر فضیلت ہونا چاہیے۔

ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جیسے مجھے یہ پسند ہے کہ میری بیوی میرے لیے زینت کرے، اسے بھی یہ اچھا لگتا ہے کہ میں اس کے لیے زینت کروں "کما یعجبنی أن تتزین لی زوجتی یعجبھا أن اتزین لھا (الفتاوی الھندیۃ: ۲۵۹/۵)

آپ ﷺ اپنے ازواج کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے

حضراتِ انبیاء اہلِ خانہ کی ضروریات کا خیال کرتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے پیغمبر ہیں، ان کی بیوی بیمار حالت میں ہیں، انھیں سردی لگی اور وقت کے پیغمبر آگ ڈھونڈنے کے لیے چل پڑے، پروردگار کو پسند آیا اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔

نبیِ کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ تھی، کبھی گھر میں آٹا گوندھ دیتے، گھر کی دیگر ضروریات پوری کرتے، حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کے گھر میں معمولات کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے بتایا کہ: ''اپنے سر سے جوئی نکالتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑے سی لیتے، اپنی خدمت خود کرلیتے، اپنے جوتے سی لیتے اور وہ تمام کام کرتے جو مرد اپنے گھر میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا و چھوڑ کر چلے جاتے (ترمذی: باب مما فی صفة اوانی الحوض: حدیث: ۲۴۸۹)

بچیوں کی پرورش کی فضیلت

آپ ﷺ کا یہ رحم وکرم نہ صرف ازواج کے ساتھ مخصوص تھا؛ بلکہ پوری صنف نازک کے ساتھ آپ ﷺ نے بہترین برتاؤ کا حکم کیا، قبل از اسلام عرب میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، لڑکی کی پیدائش کو باعث ننگ وعار باور کیا جاتا، جیسا کہ قرآن مجید نے خود اس کی منظر کشی کی ہے ''وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ'' (سورۃ النحل: ۵۸) جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس برائی کی خوشخبری کے سبب سے جو اسے دی گئی، آپ ﷺ نے نہ صرف عورت کو جینے کا حق دیا اور اس کو معاشرہ میں بلند مقام عطا کیا؛ بلکہ عورت کے وجود کو خیر وبرکت کا باعث اور نزول رحمت کا ذریعہ اور اس کی نگہداشت اور پرورش کو دخولِ جنت کا ذریعہ بتایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کی دو بیٹیاں ہوں، پھر جب تک وہ اس کے پاس رہیں یا یہ ان کے پاس رہے اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ دونوں بیٹیاں اس کو ضرور جنت میں داخل کرادیں گی (ابن حبان: باب ما جاء فی الصبر والثواب، حدیث: ۲۹۴۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دو لڑکیوں کی

پرورش اور دیکھ بھال کی وہ شخص اور میں جنت میں اس طرح اکٹھے داخل ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ (ترمذی: باب ما جاء فی النفقة علی البنات والاخوات، حدیث: ۱۹۱٤)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ان بیٹیوں کے کسی معاملہ کی ذمہ داری لی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی (بخاری: باب رحمة الولد، حدیث: ۵۹۹۵)

عورتوں کی کوتاہیوں سے درگذر کا حکم

نہ صرف یہ نبی کریم ﷺ نے عورت کے ساتھ بہترین سلوک اور برتاؤ کا حکم دیا؛ بلکہ اس کی کمی کمزوری اور خاص مزاجی کیفیت کی وجہ سے پیدا ہونے والی تکالیف کو انگیز کرنے کی بھی تاکید فرمائی:

اسی کو اللہ عزوجل نے یوں فرمایا: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ شَيْئاً فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَيَجْعَلُ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً "(النساء: ۱۹) اور ان عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی سے گذر بسر کرو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالی اس کے اندر بڑی منفعت رکھ دے۔

اسی کو ایک روایت میں نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لیے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوارِ خاطر ہے؛ اس لیے کہ اگر ایک عادت ناپسند ہے تو ممکن ہے کوئی دوسری عادت پسند آجائے (مسلم: باب الوصیة بالنساء، حدیث: ۱٤٦۹)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے عورت کے ساتھ خصوصیت سے رحم و کرم کا معاملہ فرمایا، اس کی صنفی نزاکت کو ملحوظ رکھ کر اس کے ساتھ رحم وکرم کرنے کا حکم دیا، اس پر بار اور مشقت ڈالنے سے منع فرمایا، اس پر بے جا سختی سے روکا؛ اس کو قعرِ مذلت سے نکال عزت ووقار کا تاج پہنایا، ماں، بہو، ساس، بیوی وغیرہ کی شکل میں اس کے حقوق عنایت کیے، اس کی تعظیم واکرام کا حکم کیا، اس کی پرورش وپرداخت اور اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کو جنت کا وسیلہ اور ذریعہ فرمایا، یہ صنف نازک کے ساتھ نبی ﷺ کریم کا طرز وعمل تھا۔

❁ ❁ ❁

شریعت اسلامیہ میں مرد وعورت کے لیے ''غض بصر'' کے حکم کا تحقیقی جائزہ

از: غازی عبدالرحمٰن قاسمی
لیکچرار گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج، ملتان، پاکستان

اسلام پاک وصاف معاشرے کی تعمیر اور انسانی اخلاق وعادات کی تہذیب کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کی تہذیب اور پُرامن معاشرے کے قیام کے لیے جو اہم تدبیر کرتا ہے، وہ انسانی جذبات کو ہر قسم کے ہیجان سے بچا کر پاکیزہ زندگی کا قیام ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں اسلام نے حفاظتِ نظر پر زور دیا ہے؛ چونکہ بدنظری تمام فواحش کی بنیاد ہے، اس لیے قرآن وحدیث سب سے پہلے اس کی گرفت کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ(۱)

ترجمہ: ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اور اسی طرح عورتوں کو بھی غض بصر کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ(۲)

ترجمہ: اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں!

حقیقت یہ ہے کہ ''بدنظری'' ہی ''بدکاری'' کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی وجہ سے ان آیات میں نظروں کی حفاظت کے حکم کو ''حفاظتِ فرج'' کے حکم پر مقدم رکھا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے ''بدنظری'' سے منع کیا اور اس کا فائدہ یہ بتایا کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی حفاظت

ہوگی نیز یہ چیز تزکیۂ قلوب میں بھی معاون ہوگی۔ ''غضِ بصر'' کا حکم ہر مسلمان کو دیا گیا ہے۔ نگاہ نیچی رکھنا فطرت اور حکمتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہے؛ اس لیے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ(۳)

''لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہوا ہے جیسے عورتیں''۔

آنکھوں کی آزادی اور بے باکی خواہشات میں انتشار پیدا کرتی ہے۔ ایک حدیث میں بدنظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ(۴) ''آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے''۔

راستے میں مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزرگاہ ہے، ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں، نظر بے باک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑے اور وہ برائی کا باعث بن جائے۔

صحابہ کرامؓ سے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کہ راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو! صحابہؓ نے اپنی مجبوری پیش کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم کو جب کوئی مجبوری ہو تو راستہ کا حق ادا کرو! صحابہؓ نے سوال کیا راستہ کا حق کیا ہے''۔؟

آپ ﷺ نے فرمایا: غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ(۵)

''نگاہ نیچی رکھنا، اذیت کا رد کرنا، سلام کا جواب دینا، اور بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا''۔

حدیث میں نظر کو شیطانی زہر آلود تیر قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُومٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِي أَبْدَلْتُه إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ(۶)

''بدنظری شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، جو شخص اس کو میرے خوف کی وجہ سے چھوڑ دے، میں اس کو ایک ایسی ایمانی قوت دوں گا، جس کی شیرینی وہ اپنے دل میں پائے گا''۔

نگاہ کا غلط استعمال بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔ چونکہ دل میں تمام قسم کے خیالات وتصورات اور اچھے بُرے جذبات کا برانگیختہ ومحرک ہونا، اسی کے تابع ہے؛ اس لیے اسلام میں نگاہوں کو نیچا رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

بدنظری کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے حسرت وافسوس اور رنج وغم کی کیفیت ہوجاتی ہے۔ کئی دفعہ نظر کا تیر دیکھنے والے کو خود ہی لگ کر اس کے دل ودماغ کو زخمی کردیتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

كُلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَاُهَا مِنَ النَّظَرِ ☆ وَمُعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ
كَمْ نَظْرَةٍ بَلَغَتْ فِي قَلْبِ صَاحِبِهَا ☆ كَمَبْلَغِ السَّهْمِ بَيْنَ الْقَوْسِ وَالْوَتَرِ
يَسُرُّ مُقْلَتَهُ مَا ضَرَّ مُهْجَتَهُ ☆ لَا مَرْحَبًا بِسُرُورٍ عَادَ بِالضَّرَرِ
يَا رَامِيًا بِسِهَامِ اللَّحْظِ مُجْتَهِدًا ☆ أَنْتَ الْقَتِيلُ بِمَا تَرْمِي فَلَا تُصِبِ
يَا بَاعِثَ الطَّرْفِ يَرْتَادُ الشِّفَاءَ لَهُ ☆ اِحْبِسْ رَسُولَكَ لَا يَأْتِيكَ بِالْعَطَبِ(۷)

ترجمہ: تمام حادثات کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے، اور بڑی آگ چھوٹی چنگاریوں سے ہوتی ہے، کتنی ہی نظریں ہیں جو نظر والے کے دل میں چبھ جاتی ہیں، جیسا کہ کمان اور تانت کے درمیان تیر ہوتا ہے، اس کی آنکھ ایسی چیز سے خوش ہورہی ہے جو اس کی روح کے لیے نقصان دہ ہے۔ ایسی خوشی جو ضرر کو لائے، اس کے لیے خوش آمدید نہیں ہے۔ اے نظر کا تیر چلانے میں کوشش کرنے والے! اپنے چلائے ہوئے تیر سے تو ہی قتل ہوگا! اے نظر باز! تو جس نظر سے شفا کا متلاشی ہے، اپنے قاصد کو روک! کہیں یہ تجھ ہی کو ہلاک نہ کردے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا کہ نگاہ کا غلط استعمال انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اسی لیے شریعت نے عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے ''غضِ بصر'' کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں دونوں کو ''غضِ بصر'' کا حکم دیا گیا؛ مگر جمہور فقہاء نے اس حکم میں مرد وعورت کے درمیان فرق کیا ہے۔ پہلے مردوں کے لیے غضِ بصر کے حکم میں اہل علم کا موقف ذکر کرکے پھر عورتوں کے لیے اس حکم کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مردوں کے لیے غضِ بصر کا حکم:

(۱) اس پر اجماع ہے کہ مرد کے لیے دوسرے مرد کے ستر کے علاوہ پورے جسم کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔(۸)

(۲) اس پر بھی اہل علم کا اجماع ہے کہ بے ریش لڑکے کو لذت اور اس کی خوبصورتی سے متمتع ہونے کے ارادہ سے دیکھنا حرام ہے۔ (۹)

مردوں کا عورتوں کی طرف دیکھنے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) مرد کا اپنی بیوی کو دیکھنا جائز ہے۔

(۲) مرد اپنی ذی محرم عورتوں کے مواضع زینت کو دیکھ سکتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک مواضعِ زینت میں، سر، چہرہ، کان، گلا، سینہ، بازو، کلائی، پنڈلی، ہتھیلی اور پاؤں شامل ہے۔ (۱۰)

(۳) مرد کا اجنبیہ عورت کی طرف نظر کرنا، اس میں تفصیل ہے:

❁ اگر مرد کسی عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہے تو اُس کے لیے اس عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے۔

امام کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

و كذا إذا أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إلى وجهها (۱۱)

''اور اسی طرح جو شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس عورت کے چہرے کی طرف دیکھے''؛ بلکہ ایسی عورت کے چہرہ کی طرف نظر کرنے میں جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) مخطوبہ کی طرف جواز نظر والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفيه استحباب النظر إلى وجه من يريد تزوجها وهو مذهبنا ومذهب مالك وأبي حنيفة وسائر الكوفيين وأحمد وجماهير العلماء (۱۲)

''اور اس حدیث میں اس عورت کے چہرے کی طرف نظر کرنا اس شخص کے لیے مستحب ہے جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اور یہی ہمارا مذہب ہے اور مالکؒ، ابوحنیفہؒ، تمام اہلِ کوفہ اور احمدؒ سمیت جمہور علماء کا ہے۔

❁ طبیب بغرضِ علاج اجنبیہ کو دیکھ سکتا ہے۔

امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

يجوز للطبيب الأمين أن ينظر إليها للمعالجة (۱۳)

''شریف الطبع طبیب کے لیے عورت کی طرف بغرضِ علاج نظر کرنا جائز ہے''۔

❁ گواہ عورت کے خلاف گواہی دیتے وقت اور قاضی عورت کے خلاف فیصلہ کرتے وقت اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

علامہ حصکفیؒ (م۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلى وجهها ..... إلا النظر لحاجة كقاض وشاهد يحكم ويشهد عليها(۱۴)

''پس اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا ممنوع ہے؛ البتہ ضرورت کے وقت، دیکھنا جائز ہے، مثلاً قاضی کا فیصلہ سناتے یا گواہ کا گواہی دیتے وقت دیکھنا''۔

❁ ہنگامی حالات میں، مثلاً کوئی عورت پانی میں ڈوب رہی ہے یا آگ میں جل رہی ہے تو اس کی جان بچان کے لیے اس کی طرف دیکھا جاسکتا ہے۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

لو وقعت فی غرق أو حرق فله أن ينظر إلى بدنها ليخلصها(۱۵)

''اگر عورت پانی میں ڈوب رہی ہو یا آگ میں جل رہی ہو تو اس کی جان بچانے کے لیے اس کے بدن کی طرف دیکھنا جائز ہے''۔

اور اسی کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے مزید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زلزلہ وسیلاب، چھتوں کا گر جانا، آسمانی بجلی کا گرنا، چوری ڈکیتی کے وقت بھی افراتفری کے عالم میں یہی حکم ہوگا۔

❁ معاملہ کرتے وقت یعنی، اشیاء کے لینے و دینے اور خرید وفروخت کے وقت بھی عورت کے چہرے کی طرف نظر کی جاسکتی ہے۔

امام کاسانی لکھتے ہیں:

لأن إباحة النظر إلى وجه الأجنبية وكفيها للحاجة إلى كشفها فى الأخذ والعطاء(۱۶)

''اشیاء کے لینے اور دینے کی ضرورت کی وجہ سے اجنبیہ کے چہرے کی طرف نظر کرنا جائز ہے''۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

جواز النظر للحاجة عند البيع والشراء(۱۷)

''خرید وفروخت کی ضرورت کے وقت عورت کی طرف نظر کرنا جائز ہے''۔

اور اس کی وجہ یہی ہے کہ بائع یا مشتری معاملہ کرتے وقت اس عورت کو پہچان لے؛ تاکہ اگر کسی وجہ سے چیز واپس کرنی پڑے کسی نقصان وضرر کے وقت، یا بعد میں قیمت وصول کرنی ہو تو

دوسری عورتوں سے الگ شناخت کی جاسکے۔(۱۸)

جبکہ بعض اہل علم کی رائے میں خرید وفروخت کے وقت عورت کا چہرہ کھولنا یا مرد کا دیکھنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ ایسی ضرورت نہیں ہے کہ جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو؛ چونکہ عورتیں بیع وشرا نقاب وحجاب کے ساتھ بھی کرسکتی ہیں (۱۹)۔اور یہی بات عصرِ حاضر کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے؛ اس لیے کہ آج کل تو باقاعدہ خریدی ہوئی چیز کی رسید مل جاتی ہے، جس سے اس چیز کے واپس کرنے میں مزید کسی شناخت کی ضرورت نہیں ہے۔مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ بغیر کسی حاجت اور ضرورت کے اجنبیہ کی طرف دیکھنے میں جمہور فقہاء اور حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک فتنہ اور شہوت سے بے خوف ہونے کی صورت میں اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے؛ مگر ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک فتنہ اور شہوت کا خوف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں بلاضرورت اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔ائمہ کے موقف کی تفصیل اور دلائل کے نقل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ فتنہ اور شہوت کا مفہوم واضح کیا جائے؛ تاکہ بات کا سمجھنا آسان ہو۔

فتنہ کا معنی:

علامہ شامیؒ (م۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

(قوله بل لخوف الفتنة) أى الفجور بها قاموس أو الشهوة(۲۰)

فتنہ سے مراد گناہ یا شہوت ہے۔

شہوت کی تعریف:

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

أنها ميل القلب مطلقا(۲۱)

''شہوت دل کے مائل ہونے کا نام ہے''۔

علامہ شامیؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بيان الشهوة التى هى مناط الحرمةأن يتحرك قلبُ الإنسان ويميلَ بطبعه إلى اللذة(۲۲)

''شہوت کا بیان جس پر حرمت کا مدار ہے، وہ یہ کہ انسان کے دل میں حرکت پیدا ہو اور طبیعت لذت کی طرف مائل ہوجائے''۔

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ کسی خوبصورت چہرے کی طرف دیکھنے سے (خواہ وہ عورت کا ہو یا بے ریش لڑکے کا) دل کی کیفیات کا متحرک ہونا اور قلبی میلان ورجحان کے ساتھ طبیعت کا حصول لذت کی طرف مائل ہونا شہوت کہلاتا ہے۔

جمہور علماء کا تفصیلی موقف درج ذیل ہے۔

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابن رشد مالکی (م ۵۲۰ھ)

و لا يجوز له أن ينظر إلى الشابة إلا لعذر من شهادة أو علاج (۲۳)

''اور مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ نوجوان عورت کی طرف نظر کرے سوائے گواہی یا علاج وغیرہ کی مجبوری حالت کے۔

قاضی امام ابن عربیؒ مالکی (م ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

لا يحل للرجل ان ينظر الى المرأة (۲۴)

''آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ عورت کی طرف دیکھے''۔

شوافع کا موقف:

امام ابواسحاق شیرازیؒ (م ۴۷۶ھ) لکھتے ہیں:

و أما من غير حاجة فلا يجوز للأجنبى أن ينظر إلى الأجنبية (۲۵)

''اور بہرحال بلاضرورت اجنبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اجنبیہ کی طرف دیکھے''۔

امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

نظر الرجل الى المراة.... وان كانت اجنبية حرم النظراليها مطلقا (۲۶)

''اگر عورت اجنبیہ ہو تو اس کی طرف نظر کرنا مطلقاً حرام ہے''۔

حنابلہ کا موقف:

شیخ الاسلام ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

فأما نظر الرجل إلى الأجنبية من غير سبب فإنه محرم إلى جميعها فى ظاهر كلام أحمد (۲۷)

''امام احمد کے ظاہری کلام کے مطابق آدمی کا اجنبیہ عورت کے پورے جسم کی طرف بلاوجہ دیکھنا حرام ہے''۔

جمہور فقہاء کے دلائل:

۱-آیت کریمہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ(۲۸)

''ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں''۔

امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرض الله على العينين أن لا ينظر بهما إلى ماحرم اللّٰه، وأن يغضهما عما نهاه(۲۹)

''اللہ تعالی نے آنکھوں پر فرض کیا کہ وہ نہ دیکھیں اس چیز کو جس کا دیکھنا اللہ نے حرام قرار دیا، اور جس کے دیکھنے سے منع کیا، وہاں آنکھوں کو جھکایا جائے''۔

۲-آیت کریمہ:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ(۳۰)

''اور جب تمہیں ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا (یا کچھ پوچھنا) ہو تو تم پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔

امام قرطبی (م۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

فی هذه الآية دليل على أن اللّٰه تعالى أذن فی مسألتهن من وراء حجاب، فی حاجة تعرض، أو مسألة يستفتين فيها، ويدخل فی ذلك جميع النساء بالمعنى(۳۱)

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے ازواج مطہرات سے ضرورت پڑنے پر پردے کے پیچھے سے سوال کرنے یا مسئلہ پوچھنے کی اجازت دی ہے۔ اور اس حکم میں تمام مسلمان عورتیں داخل ہیں''۔

معلوم ہوا مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں؛ اسی لیے پردے کی آڑ میں عورتوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳-حضرت ابوہریرہؓ کی روایت:

إِنَّ اللَّهَ إِذَا كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ فَالْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ، وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ؛ وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ(۳۲)

''بے شک اللہ تعالی نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ یقیناً پائے گا۔ پس آنکھیں

زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے۔ اور پاؤں زنا کرتے ہیں ان کا زنا چلنا ہے اور نفس زنا کی تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب''۔

۴- نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الآخِرَةُ(۳۳)

''اے علی! نظر کی پیروی مت کر؛ اس لیے کہ پہلی نظر تو جائز ہے؛ مگر دوسری نگاہ جائز نہیں''۔

۵- حضرت علیؓ کی روایت ہے:

أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أَرْدَفَ الْفَضْلَ فَاسْتَقْبَلَتْهُ جَارِيَةٌ مِنْ خَثْعَمٍ فَلَوَى عُنُقَ الْفَضْلِ فقَالَ اَبُوہ الْعَبَّاسُ لَوَيْتَ عُنُقَ ابْنِ عَمِّكَ قَالَ رَأَيْتُ شَابًّا وَشَابَّةً فَلَمْ آمَنِ الشَّيْطَانَ عَلَيْهِمَا(۳۴)

''بے شک نبی کریم ﷺ نے فضل کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا آپ کو قبیلہ خثعم کی ایک لڑکی ملی، آپ ﷺ نے فضلؓ کی گردن دوسری طرف پھیر دی، اس پر ان کے والد عباسؓ نے کہا: آپ نے اپنے چچازاد بھائی کی گردن کیوں پھیر دی؟ آپ نے ﷺ فرمایا میں نے نوجوان مرد اور عورت کو دیکھا تو میں ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا۔

۶- حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِی(۳۵)

''میں اپنی نظر پھیر لوں''

۷- وہ احادیث جن میں نکاح سے پہلے عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔(۳۶) اگر عورتوں کی طرف نظر کرنا مطلقاً مباح ہوتا تو پھر نکاح کے ارادہ کے ساتھ دیکھنے کی تخصیص کیوں کی گئی؟(۳۷)

یہ تمام دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اجنبیہ عورت کی طرف بلاضرورت دیکھنا ناجائز ہے؛ چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مردوں کے لیے غض بصر کا حکم لازمی ہے۔ اور استثنائی صورتوں کے علاوہ اجنبیہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

ومنهم من جوز النظر الی الوجه حيث تومن الفتنة..... وهو بعيد لان الشهوة

وخوف الفتنة امر باطن فالضبط بالأنوثة التی هی من الاسباب الظاهرة أقرب الی المصلحة (۳۸)

''بعض حضرات نے فتنہ سے امن میں ہونے کی صورت میں عورت کا چہرہ دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے اور وہ بعید ہے؛ اس لیے کہ شہوت اور فتنہ کا خوف باطنی معاملہ ہے، لہٰذا مؤنث کے ساتھ حکم کو منضبط کرنا یہ اسباب ظاہرہ میں سے ہے اور مصلحت کے زیادہ قریب ہے''۔

امام غزالیؒ کی مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر عورت کی طرف نظر کرنے کو فتنہ سے امن میں ہونے کی صورت میں جائز قرار دیا جائے تو ایسا ممکن نہیں ہے؛ اس لیے کہ شہوت اور فتنہ کے خوف کا تعلق انسان کے ظاہر سے نہیں؛ بلکہ باطن سے ہے اور کسی کے باطن میں کیا ہے؟ کوئی دوسرا فرد نہیں جانتا؛ چنانچہ فتنہ کے خوف کو ضابطہ بنانے کے بجائے اگر یہ ضابطہ بنایا جائے کہ عورت کی طرف بلا وجہ نظر کرنا ہی جائز نہیں، یہ اسباب ظاہرہ اور مصلحت کے زیادہ قریب ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی احکام القرآن للعثمانوی میں لکھتے ہیں:

''اور اجنبیہ عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرام ہے۔ خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو۔ اور ان حضرات کا خیال ہے کہ خوبصورت چہرے کی طرف دیکھنا فتنہ کو لازم کرتا ہے اور عام طور پر دل میں میلان پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا، اجنبیہ کی طرف نظر کرنا، خود فتنہ کے قائم مقام ہے۔ جس طرح کہ نیند کو خروج ریح کے احتمال کی وجہ سے اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔ اور محض سونے سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم لگادیا جاتا ہے خواہ ریح کا خروج ہو یا نہ ہو، اور اسی طرح خلوت صحیحہ عورت کے ساتھ وطی کے قائم مقام ہے تمام احکام میں (۳۹) عام ازیں کہ اس خلوت میں وطی پائی گئی ہو یا نہ پائی گئی ہو'' (۴۰)۔

معلوم ہو کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کے لیے عورت کے چہرے کی طرف بلا ضرورت نظر کرنا جائز نہیں، اور اس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اکثر حالات میں خوبصورت عورت کا چہرہ دیکھ کر انسان اس کی طرف مائل ہو کر فتنہ میں واقع ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح، نیند کو خروج ریح کے قائم مقام قرار دے کر وضو ٹوٹنے کا حکم لگادیا جاتا ہے خواہ ہوا خارج ہو یا نہ ہو۔ اور خلوت صحیحہ (۴۱) میں وطی نہ پائی گئی ہو؛ مگر اس خلوت کو وطی کے قائم مقام کر کے احکام جاری کیے جاتے ہیں (۴۲) اسی طرح عورت کی طرف نظر کرنے سے انسان فتنہ میں پڑسکتا ہے، لہٰذا اجنبیہ کی طرف نظر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص فتنہ میں واقع ہوجائے۔

حنفیہ کا موقف:

حنفیہ کے نزدیک بلاشہوت اجنبیہ عورت کے چہرہ اور ہتھیلی کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

جاز للأجنبی أن ینظر من المرأة إلی وجهها ویدیها بغیر شهوة (۴۳)

''اجنبی کے لیے جائز ہے کہ وہ بغیر شہوت کے عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھے''۔

امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:

فلا یحل النظر للأجنبی من الأجنبیة الحرة إلی سائر بدنها إلا الوجه والکفین (۴۴)

''اجنبی کے لیے آزاد اجنبیہ کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی بدن کی طرف نظر کرنا حلال نہیں ہے''۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

ولا یجوز أن ینظر الرجل إلی الأجنبیة إلا وجهها وکفیها (۴۵)

''اور آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اجنبیہ کی طرف دیکھے سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے''۔

حنفیہ کے دلائل:

۱- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (۴۶)

''ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں''۔

اس آیت میں مردوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبیہ کی طرف بالکل دیکھنا جائز نہیں؛ مگر حنفیہ نے سورۃ النور کی درج ذیل آیت کی وجہ سے چہرے اور ہتھیلیوں کا استثنا کیا ہے۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (۴۷)

''اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں؛ مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر سرمہ اور انگوٹھی سے کی ہے (۴۸)۔ سرمہ چونکہ آنکھ میں ڈالا جاتا ہے اور انگوٹھی ہاتھ میں ہوتی ہے؛ لہٰذا زینت ظاہرہ سے مراد چہرہ اور ہتھیلی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت بھی ہے جس میں آپ نے ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر ہتھیلی اور چہرہ سے کی ہے (۴۹)۔ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی اعضاء اسی نہی کے

حکم میں داخل ہیں (۵۰)۔ چنانچہ اجنبی مرد کے لیے اجنبیہ کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی جسم کی طرف نظر کرنا حلال نہیں؛ لیکن اگر عورت کی طرف نظر کرنے میں شہوت کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کے چہرے کو دیکھنا حلال نہ ہوگا۔

امام شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) اس مسئلہ پر بڑی تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذا كله إذا لم يكن النظر عن شهوة فإن كان يعلم أنه إن نظر اشتهى لم يحل له النظر إلى شيء منها..... وكذلك إن كان أكبر رأيه أنه إن نظر اشتهى لأن أكبر الرأى فيما لا يتوقف على حقيقته كاليقين(۵۱)

''اور یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب مرد کی وہ نظر شہوت سے نہ ہو؛ لیکن اگر وہ یہ جانتا ہو کہ اگر اس نے عورت کی طرف نظر کی تو اس کے دل میں اس کی طرف رغبت پیدا ہو جائے گی تو ایسی صورت میں اس مرد کے لیے عورت کے کسی عضو کو بھی دیکھنا حلال نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب مرد کی غالب رائے یہ ہو کہ اگر اس نے عورت کی طرف نظر کی تو اس کے دل میں اس کی طرف میلان ہو جائے گا؛ کیونکہ جس چیز کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکتے ہوں، اس کے اندر غالب رائے یقین کا درجہ رکھتی ہے''۔

امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:

إنما يحل النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منها من غير شهوة فأما عن شهوة فلا يحل لقوله عليه الصلاة والسلام اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ(۵۲) وليس زنا العينين إلا النظر عن شهوة ولأن النظر عن شهوة سبب الوقوع فى الحرام فيكون حراما إلا فى حالة الضرورة(۵۳)

''بے شک زینت ظاہرہ کی جگہوں کی طرف نظر اس وقت حلال ہے جب وہ بغیر شہوت کے ہو اور اگر وہ نظر شہوت سے ہو تو پھر حلال نہ ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آنکھیں زنا کرتی ہیں'' اور آنکھوں کا زنا شہوت والی نظر سے ہوتا ہے۔ اور شہوت بھری نظر حرام میں واقع ہونے کا سبب ہے، لہٰذا وہ حرام ہوگی سوائے مجبوری کی حالت میں۔

۲- نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من نَظَرَ إِلَى محَاسِنِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ عَنْ شَهْوَةٍ صُبَّ فِي عَيْنَيْهِ الآنك يَوْمَ القِيَامَةِ(۵۴)

''جس شخص نے شہوت کے ساتھ کسی اجنبی عورت کے محاسن کی طرف نظر کی تو قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں سیسہ ڈالا جائے گا''۔

مذکورہ بالا دلائل کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک فتنہ اور شہوت کا خوف نہ ہونے کی صورت میں عورت کے چہرہ کی طرف نظر کی جاسکتی ہے۔ اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کا چہرہ دیکھنا منع ہوگا اس لیے کہ عورت کی اصل خوبصورتی تو اس کے چہرہ میں ہوتی ہے۔

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

و لأن حرمة النظر لخوف الفتنة وعامة محاسنها فی وجهها فخوف الفتنة فی النظر إلی وجهها أكثر منه إلی سائر الأعضاء(۵۵)

''اور بے شک دیکھنے کی حرمت فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہے اور عورت کے اکثر محاسن اس کے چہرے ہی میں ہوتے ہیں؛ اس لیے دوسرے اعضاء کی طرف دیکھنے کے مقابلے میں چہرہ کی طرف دیکھنے میں فتنہ کا خوف زیادہ ہے''۔

اور اگر فتنہ کا خوف نہیں ہے تو پھر عورت کی طرف دیکھنا بھی حرام نہیں ہے؛ مگر چونکہ اس زمانے میں بے راہ روی اور عریانی وفحاشی کا سیلاب نہایت تیزی کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے اور اس شرط کا فی زمانہ پایا جانا مشکل ہے؛ اس لیے متاخرین حنفیہ(۵۶) نے مطلقاً عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلی وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا فی زمانهم وأما فی زماننا فمنع من الشابة قهستانی وغيره إلا النظر لحاجة كقاض وشاهد يحكم ويشهد عليها(۵۷)

''پس اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ پس نظر کا حلال ہونا مقید ہے شہوت نہ ہونے کے ساتھ وگرنہ حرام ہے۔ یہ حکم ان پہلے فقہاء کے زمانے کا ہے۔ اور جہاں تک ہمارے اس دور کا تعلق ہے، اس میں تو نوجوان عورت کی طرف نظر کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ قہستانی وغیرہ؛ البتہ ضرورت کے وقت، دیکھنا جائز ہے، مثلاً قاضی کا فیصلہ سناتے وقت دیکھنا یا گواہ کا عورت کے خلاف گواہی دیتے وقت دیکھنا''۔

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کے لیے عورت کی طرف بلاضرورت دیکھنا ناجائز نہیں، اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں مرد کے لیے عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے؛ مگر چونکہ اب وہ حالات نہیں رہے، عریانی اور فحاشی

بڑھتی جارہی ہے؛ اس لیے متاخرین حنفیہ کے نزدیک بلاضرورت مرد کا اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے؛ چنانچہ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرد کے لیے بلاضرورت عورت کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

❁ ❁ ❁

حواشی وحوالہ جات:

(۱) القرآن، النور: ۳۰۔
(۲) القرآن، النور ۳۱۔
(۳) القرآن، آل عمران: ۱۴۔
(۴) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر الیمامہ، ۱۴۰۷ھ، جلد ۵، صفحہ ۲۳۰۴۔
(۵) مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، جلد ۴، صفحہ ۲۳۰۴-۱۷۰۴۔
(۶) المنذری، عبدالعظیم، الترغیب والترھیب، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ، جلد ۳، صفحہ ۱۵۳۔
(۷) ابن قیم الجوزیہ، الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی، دار المعرفت، ۱۴۱۸ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۵۳-۱۵۴۔
(۸) عبداللہ بن محمود الموصلی الحنفی، الاختیار لتعلیل المختار، قاہرہ، مطبعہ الحلبی، ۱۳۵۶ھ، جلد ۴، صفحہ ۱۵۴۔
الغزالی، محمد بن محمد، ابوحامد، الوسیط فی المذھب، قاہرہ، دار السلام، ۱۴۱۷ھ، جلد ۵ صفحہ ۲۹۔
(۹) شامی ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار (حاشیہ ابن عابدین) بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر، جلد ۶، صفحہ ۳۷۱۔
(۱۰) برہان الدین محمود بن احمد، المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ، جلد ۵، صفحہ ۳۳۱-۳۳۲، ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، جلد ۷، صفحہ ۹۸-۱۰۰، الخطیب الشربینی، محمد بن احمد الشافعی، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، جلد ۴ صفحہ ۲۱۴، ۲۱۷۔ الغزالی، الوسیط فی المذھب، جلد ۵، صفحہ ۳۱-۳۲، ابن جزی کلبی، محمد بن احمد، القوانین الفقہیہ، ناشر نامعلوم، س ن، جلد اول، صفحہ ۲۹۴، محمد بن محمد الطرابلسی، المالکی، مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، جلد ۳، صفحہ ۴۰۶۔
(۱۱) الکاسانی، علاو الدین، البدائع والصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲، ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۹۶، الطرابلسی، المالکی، مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵، الشیرازی، ابراہیم بن علی، ابواسحاق، المھذب فی فقہ الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، س ن، جلد ۲، صفحہ ۴۲۴۔
(۱۲) نووی، شرح صحیح مسلم، جلد ۹، صفحہ ۲۱۰۔
(۱۳) رازی، محمد بن عمر بن حسین، ابوعبداللہ، تفسیر الفخر الرازی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ، جلد ۲۳، صفحہ ۳۶۲، الطرابلسی، المالکی، مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵، حصکفی، علاو الدین، درمختار، بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ، جلد ۶، صفحہ ۳۷۰، ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۱۔
(۱۴) حصکفی، الدر المختار، جلد ۶ صفحہ ۳۷۰، الطرابلسی، المالکی، مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جلد ۳، صفحہ ۴۰۵، الشیرازی، ابواسحاق، المھذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵، ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۱۔
(۱۵) رازی، تفسیر الفخر الرازی، جلد ۲۳ صفحہ ۳۶۲۔
(۱۶) الکاسانی، البدائع والصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲۔
(۱۷) النووی، شرح صحیح مسلم، جلد ۹، صفحہ ۲۱۰۔

(۱۸) درویش مصطفیٰ حسن، فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب والنقاب، قاہرہ، دار الاعتصام، س ن، صفحہ ۳۷۔
(۱۹) ایضاً صفحہ ۳۷۔
(۲۰) شامی، ردالمحتار علی الدر المختار، جلد ۱، صفحہ ۴۰۷۔
(۲۱) شامی، ردالمحتار علی الدر المختار، جلد ۱، صفحہ ۴۰۶۔
(۲۲) شامی، ردالمحتار علی الدر المختار، جلد ۱، صفحہ ۴۰۷۔
(۲۳) ابن رشد الجد، محمد بن احمد، المقدمات الممھدات، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ، جلد ۳، صفحہ ۴۶۰۔
(۲۴) ابن عربی، محمد بن عبداللہ، احکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ، جلد ۳، صفحہ ۳۸۰۔
(۲۵) الشیرازی، ابواسحاق، المھذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵۔
(۲۶) الغزالی، الوسیط فی المذھب، جلد ۵، صفحہ ۳۲۔
(۲۷) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲۔
(۲۸) القرآن، النور: ۳۰، الشیرازی، ابواسحاق، المھذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵، ابن عربی، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۷۹، ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۱۸، صفحہ ۵۵۹۔
(۲۹) الشافعی، محمد بن ادریس، تفسیر الامام الشافعی، المملکۃ العربیہ السعودیہ، دار التدمریۃ، ۱۴۲۷ھ، جلد ۳، صفحہ ۱۱۳۷۔
(۳۰) القرآن، الاحزاب:
ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابومحمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲۔
(۳۱) القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، ۱۳۸۴ھ، جلد ۱۴، صفحہ ۲۲۷۔
(۳۲) ابن عربی، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۸۰؛ مسلم، الصحیح، جلد ۴، صفحہ ۲۰۴۷۔
(۳۳) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲؛ ابن عربی، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۸۰؛ ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۲۴۶؛ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، ریاض، مکتبۃ الرشید، ۱۴۰۹ھ، جلد ۶، صفحہ ۳۶۷۔
(۳۴) الشیرازی، ابو اسحاق، المھذب، جلد ۲، صفحہ ۴۲۵؛ ابن رشد، البیان والتحصیل، جلد ۱۸، صفحہ ۵۵۹؛ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲؛ الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، السنن، مصر، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ، جلد ۳، صفحہ ۲۲۳؛ احمد بن حنبل، المسند، بیروت، موسسہ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ، جلد ۲، صفحہ ۶۔
(۳۵) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲؛ مسلم، جلد ۳، صفحہ ۱۶۹۹۔
(۳۶) ابوداؤد، السجستانی، سلیمان بن اشعث، بیروت، المکتبہ العصریہ، جلد ۲، صفحہ ۲۲۸۔
ابن ماجہ، محمد بن یزید، دار احیاء الکتب العربیہ، جلد ۱، صفحہ ۶۰۰۔
(۳۷) ابن قدامہ، المغنی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۲۔
(۳۸) الوسیط فی المذھب، جلد ۵، صفحہ ۳۲۔
(۳۹) مفتی صاحبؒ کا ''سائر الاحکام'' لکھنا ''تسامح'' ہے؛ اس لیے کہ خلوت صحیحہ تمام احکام میں وطی کے قائم مقام نہیں ہے؛ بلکہ بعض احکام میں ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
(۴۰) مفتی محمد شفیع دیوبندی، احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۴۶۸۔
(۴۱) خلوت صحیحہ سے مراد نکاح کے بعد مرد وعورت کی ایسی تنہائی کی ملاقات ہے، جہاں پر وطی سے کوئی حسی، شرعی اور طبعی مانع نہ ہو، حسی سے مراد وہاں پر کوئی اور ان کے علاوہ موجود نہ ہو اور شرعی سے مراد عورت ماہواری کے ایام میں نہ ہو یا فرض روزہ نہ رکھا ہو، اور طبعی سے مراد مرد وعورت دونوں میں سے کسی کو ایسی بیماری نہ ہو جو وطی کرنے سے مانع ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو، جس خلوت میں یہ رکاوٹیں موجود نہ ہوں، وہ خلوت صحیحہ کہلاتی ہے۔ فتاوی ہندیہ المعروف عالمگیریہ میں یہی تعریف کی

گئی ہے: والخلوة الصحيحة أن يجتمعا فی مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطء حسا أو شرعا أو طبعا (فتاوی ہندیہ، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۱ھ، جلد اول، صفحہ ۳۰۴)

(۴۲) ایسی خلوت صحیحہ جس میں مرد نے عورت سے وطی نہ کی تو اس عورت پر بعض احکام وہ لاگو ہونگے جو ایسی عورت پر لاگو ہوتے ہیں جس کے ساتھ خلوت صحیحہ میں وطی ہوچکی ہو، فتاوی ہندیہ میں ہے: وأصحابنا أقاموا الخلوة الصحيحة مقام الوطء فی حق بعض الاحكام دون البعض فاقاموها مقامه فی حق تاكد المهر وثبوت النسب والعدة والنفقة والسكنى فی هذه العدة وحرمة نكاح اختها واربع سواها (جلد اول، صفحہ ۳۰۶) ہمارے اصحابؒ نے کہا خلوت صحیحہ (جس میں وطی نہ ہوئی ہو) بعض احکام میں وطی کے قائم مقام ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ پس وہ وطی کے قائم مقام ہے مہر کے لازم ہونے میں، ثبوت نسب میں، اور عدت میں، اور دوران عدت نفقہ اور سکنی کی مستحق ہونے میں، اور عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کے حرام ہونے میں، اور اس کی عدت میں مزید چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی حرمت میں۔ اور خلوت صحیحہ بعض احکام میں وطی کے قائم مقام نہیں ہے۔ مثلاً وطی کے بعد غسل فرض ہوتا ہے؛ مگر ایسی خلوت جس میں وطی نہ ہو اس کے بعد غسل فرض نہیں ہوگا، اور ایسی خلوت کے بعد اگر طلاق ہوگئی تو وہ زوج اول کے لیے حلال نہیں ہوگی، مرد یا عورت محصن نہ ہونگے، رجعت کا حق نہ ہوگا، وغیرہ اور بھی مسائل ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ (فتاوی ہندیہ، جلد اول، صفحہ ۳۰۶) حالانکہ جب اس عورت کے ساتھ وطی نہیں کی گئی تو اس پر یہ احکام لاگو نہیں ہونے چاہئیں؛ مگر فقہاء نے خلوت صحیحہ کو وطی کے قائم مقام کرکے وہی احکام جاری کیے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں اسی طرح بدنظری چونکہ عورت کی طرف میلان اور وقوع فتنہ کا سبب ہے؛ اس لیے یہ فتنہ کے قائم مقام ہے اور حرام ہے۔

(۴۳) الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ، جلد ۵، صفحہ ۱۷۳۔

(۴۴) کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲۔

(۴۵) المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، بیروت، داراحیاء التراث العربی، س ن، جلد ۴، صفحہ ۳۶۸۔

(۴۶) القرآن، النور: ۳۰۔

(۴۷) القرآن، النور: ۳۱۔

(۴۸) الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن، ھ، بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ، جلد ۱۹، صفحہ ۱۵۶۔

(۴۹) ابن ابی شیبہ، المصنف، جلد ۳، صفحہ ۵۴۶۔

(۵۰) کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲۔

(۵۱) السرخسی، محمد بن ابی سھل، المبسوط، بیروت، دارالمعرفت، ۱۴۱۴ھ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۳۔

(۵۲) ابوبکر احمد بن عمرو البزار، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، المدینۃ المنورۃ، المکتبۃ العلوم والحکم، ۱۹۸۸ء، جلد ۵، صفحہ ۳۳۲۔

(۵۳) کاسانی، بدائع الصنائع، جلد ۵، صفحہ ۱۲۲۔

(۵۴) السرخسی، المبسوط، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۳؛ المرغینانی، الہدایہ، جلد ۴، صفحہ ۳۶۸۔

(۵۵) السرخسی، المبسوط، جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۲۔

(۵۶) متقدمین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا زمانہ پایا، اور ان سے فیض حاصل کیا اور جنہوں نے ان ائمہ ثلاثہ کا زمانہ نہیں پایا وہ متاخرین کہلاتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ نے میزان میں، متقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل تیسری صدی کا شروع قرار دیا ہے۔ تیسری صدی ہجری سے پہلے تک کہ علماء متقدمین اور تیسری صدی کے آغاز سے متاخرین کہلاتے ہیں۔ (مشتاق علی شاہ، تعارف فقہ، گوجرانوالہ، مکتبہ حنفیہ، س ن، صفحہ ۶۳)

(۵۷) حصکفی، الدر المختار، جلد ۶، صفحہ ۳۷۰۔

❁ ❁ ❁

تحریک استشراق کی حقیقت اور استشراقی لٹریچر کے اثرات

از: حافظ سیف الاسلام
پی ایچ ڈی اسکالر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان

تعارف: استشراق (Orientalism) اور مستشرق کا لغوی واصطلاحی معنی

استشراق عربی زبان کے مادہ (ش۔ر۔ق) سے مشتق ہے جس کے معنی شرق شناسی کے ہیں، یہ اصطلاح زیادہ قدیم نہیں ہے؛ اس لیے قدیم عربی، فارسی اور اردو معاجم میں شرق تو موجود ہے؛ لیکن زیر بحث الفاظ، یعنی باب استفعال میں اس کے معنی ومفہوم یا بطور فعل ان لغات سے بحث نہیں پائی جاتی؛ البتہ جدید لغات میں استشراق کا ذکر موجود ہے۔

شرف الدین اصلاحی اس ''Orientalist'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ لفظ انگریزوں کا وضع کردہ ہے جس کے لیے عربی میں استشراق کا لفظ وضع کیا گیا ہے لفظ ''orient'' بمعنی مشرق اور ''Orientalism'' کا معنی شرق شناسی یا مشرقی علوم وفنون اور ادب میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔ مستشرق (اشتشرق کے فعل سے اسم فاعل) سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو بہ تکلف مشرقی بنتا ہے۔(۱)

مولوی عبدالحق صاحب Orientalist کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ماہر مشرقیات ہو۔(۲)

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق استشراق اور مستشرق کی اصطلاحات orient سے مشتق ہیں(۳)۔

(Han's Wahr) نے ''عربی، انگریزی معجم'' میں استشراق کے معنی مشرقی علوم اور مستشرق کے معنی مشرقی آداب سے آگاہ یا مشرقی علوم کے ماہر بتائے ہیں۔(۴)

''عربی اعتبار سے ''استشراق'' کا سہ حرفی مادہ ''شرق'' ہے، جس کا مطلب ''روشنی'' اور

''چمک'' ہے،اس لفظ کو مجازی معنوں میں سورج کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے شرق اور مشرق اس جگہ کو کہا جائے گا جہاں سے سورج طلوع ہو۔(۵)

جب لفظ '' شرق'' پر (ا، س، ت) کا اضافہ کر کے استشراق بنایا جائے تو اس میں طلب کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے، تو اس طلب میں مستشرقین کے تمام تر مقاصد شامل ہو جاتے ہیں جس کے لیے وہ مشرقی علوم وفنون کو سیکھنے کے بعد ان علوم کی نشر واشاعت بھی کرتے ہیں۔

''منیر البعلبکی نے استشراق کے معنی ''معرفة ودراسة اللغات والآداب الشرقية'' بیان کیے ہیں اور مستشرق سے مراد ''الدارس للغات الشرق وفنونه وحضارته'' ہے۔(۶)

استشراق (Orientalism) اور مستشرق کا اصطلاحی مفہوم

استشراق کا عام فہم اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ جب بھی کوئی استشراق کا نام لیتا ہے تو اس سے مراد وہ یورپین علماء ومفکرین مراد ہوتے ہیں جن کو اہل یورپ ''Orientalist'' کہتے ہیں۔

ماہرین لغات ومفکرین نے استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کا جو اصطلاحی مفہوم بیان کیا ہے، ان میں سے کچھ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''مستشرق وہ شخص ہے جو خود مشرقی نہ ہو بلکہ بہ تکلف مشرقی بنتا ہو، مشرقی علوم میں مہارت تامہ حاصل کرنے کی کوشش کرے''(۷)

ایڈورڈ سید (Edward Said) تحریک استشراق اور مستشرق کے الفاظ کو وسعت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"Any one who teaches, writes about, or researches the orient and this applies whether the person is an authropologist, socialogist, historian, or philologist either in its specific or its general aspects, is an orientalist, and what he or she does is Orientalism." (8)

''جو کوئی بھی مشرق کے بارے میں پڑھتا، لکھتا یا اس پر تحقیق کرتا ہے تو یہ تحقیقی معیار تمام تر پڑھنے لکھنے اور تحقیق کرنے والے ماہر بشریات، ماہر عمرانیات، مورخین اور ماہر لسانیات پر منطبق ہوتا ہے۔ خواہ یہ لوگ اپنے اپنے دائرۂ تخصص میں خاص موضوع یا اپنے کسی عمومی مضمون پر کام

کررہے ہوں، مشرق شناس (مستشرق) کہلاتے ہیں اور انکا کیا جانے والا کام شرق شناسی ہوگا''؛ لیکن موجودہ دور میں مستشرقین نے اپنے لیے مختلف نام تجویز کیے ہیں جن کو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ ''اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ ''ایڈوائزر'' یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ، ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں''(۹)

مجموعی طور پر تحریک استشراق کے دائرہ میں بڑی وسعت ہے جو مشرق میں موجود تمام ممالک، مذاہب زبانوں، تہذیب وتمدن، باشندوں، انکی رسوم ورواج اور عادات واطوار کے متعلق تحقیق کرکے ان کے علاقوں پر قبضہ کرنے اور انھیں اپنی دسترس میں رکھنے، جیسے بہت سے شعبہ جات پر محیط ہے؛ لیکن اس تحریک کا سرگرم شعبہ، اسلام، اہل اسلام ان کے ممالک واملاک پر قبضہ کرکے اسے قائم رکھنے پر بحث کرتا ہے۔ اور اکثر مسلمان محقق جب تحریک استشراق پر بحث کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر استشراق کا یہی شعبہ ہوتا ہے۔ اس تصور کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر مسلم اسکالرز ایک مستشرق کی درج ذیل تعریف کرتے ہیں ''استشراق متضاد افکار ونظریات کے مجموعہ کا نام ہے، وقت اور ماحول کی مناسبت سے اس پر کبھی موضوعیت، کبھی غیر جانبداری، کبھی تحقیق اور صاف گوئی اور کبھی علم کے ناموں کے خوبصورت غلاف چڑھا دیے جاتے ہیں، ان پردوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کو حقیقت کے اصل چہرہ سے بے خبر رکھا جائے''(۱۰)

عربی زبان کی لغت المنجد جو کہ کثیر الاستعمال ہے، اس میں مستشرق کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ "العالم باللغات والادب والعلوم الشرقية والاسم الاستشراق"(۱۱) مشرقی زبانوں، آداب اور علوم کے عالم کو مستشرق کہا جاتا ہے اور اس علم کا نام استشراق ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان مستشرقین کا مقصدِ حیات، مشرقی تہذیب وتمدن، مشرقی لٹریچر، مشرقی علوم وفنون جن میں مذہب، تاریخ، ادب، لسانیات، بشریات، معاشیات، سیاسیات وغیرہ شامل ہیں اور مشرقی اقوام کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان مستشرقین نے مردہ اقوام کی گم شدہ تاریخوں کی جستجو کی، ان کے ویران وبے نشان یادگاروں کا پتہ لگایا، ان کے منہدم اور بوسیدہ کھنڈروں کی ایک ایک اینٹ اور ایک ایک پتھر کی تاریخ کا ایک ایک صفحہ سمجھ کر مطالعہ کیا، ان کے مسکن اور جائے اقامت کو کھود کھود کر اس میں سے ایک ایک ذرہ نکالا، ان کی غیر مفہوم کتابوں کو بادقت تمام پڑھا، ان کے قدیم رسوم ورواج، ان کی زبان اور ان کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا اور ان سے نتائج اخذ کیے، اور اس طرح ان مردہ اور گم شدہ

اقوام کی ایک مسلسل تاریخ کا سرمایہ بہم پہنچایا، زندہ اقوام کی تاریخ کو پڑھا، ان کی نادر تصنیفات کو بہم پہنچایا، ان کا مطالعہ کیا، ان کی ایجادات واکتشافات سے واقفیت حاصل کی، ان کی تاریخی عظمت کو تسلیم کیا، ان کے علوم وفنون کو ترقی دی، ان کے تہذیب وتمدن کی تاریخ مدون کی، ان کے لٹریچر کی ترقی اور توسیع میں کوشش کی، ان کی نایاب تصانیف کو مرتب کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا اور ان کو چھاپ کر عام لوگوں کی رسائی کو ان نایاب کتابوں تک ممکن بنایا۔

تحریک استشراق کا تاریخی پس منظر

تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریک استشراق کی روح ازل سے لے کر ابد تک موجود رہے گی، اور اس کی قدامت پر حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ، پھر حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا ایک ساتھ اس دنیا میں بھیجا جانا بھی دلالت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حق کے ساتھ باطل، اسلام کے ساتھ کفر، ایمان کے ساتھ الحاد کا ہونا استشراق کی ہی صورتیں ہیں۔ اس کے قدیم ہونے کی طرف اس شعر میں بھی اشارہ موجود ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ❁ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اس تحریک کا آغاز دراصل ظہور اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہل مغرب کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض وعداوت کا اظہار موقع بہ موقع مختلف ادوار میں ہوتا رہا ہے، اور وفور جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں، اور کبھی کبھار تحریر وتصنیف اور وقائع واسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کا سرمائیہ افتخار قرار پائیں۔ (۱۲)

مگر ان کے بغض وعداوت میں شدت اس وقت آئی جب دو قوتیں (ہلال، صلیب) آپس میں ٹکرائیں ہلال نے صلیب کو ہر مقام پر پسپا کیا اور اپنے لیے ترقی کی راہ ہموار کی، اسی وقت سے باہم دشمنی اور چپقلش کا آغاز ہوا۔ اس کے بارے میں محمد حیاۃ ہیکل اپنی کتاب حیاۃ محمد میں لکھتے ہیں ''پیروان مسیحیت پر اسلام اور مسلمانوں کی یہ ترقی شاق گزری نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور مسیحیت کے درمیان شدید اختلافات کی خلیج حائل ہوگئی اور اس نے باقاعدہ ایک کشمکش کی صورت اختیار کر لی۔ (۱۳)

سب سے پہلے جس نے اسلام کے خلاف، اس تحریک کا آغاز کیا وہ ساتویں صدی عیسوی کا ایک پادری جان (John) تھا، جس نے آنحضورؐ کے بارے میں طرح طرح کی جھوٹی باتیں گھڑیں اور لوگوں میں مشہور کردیں؛ تاکہ آپؐ کی سیرت وشخصیت ایک دیو مالائی کردار سے زیادہ دکھائی نہ دے۔ جان آف دمشق کی یہی خرافات مستقبل کے استشراقی علماء کا ماخذ ومصدر بن گئیں، جان آف دمشق کے بعد عیسائی دنیا کے بیسیوں عیسائی اور یہودی علماء نے قرآن کریم اور آنحضورؐ کی ذات گرامی کو کئی سو سال تک موضوع بنائے رکھا اور ایسے ایسے حیرت انگیز افسانے تراشے جن کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا، ان ادوار میں زیادہ زور اس بات پر صرف کیا گیا کہ آپؐ امی نہیں؛ بلکہ بہت پڑھے لکھے شخص تھے، تورات اور انجیل سے اکتساب کرکے آپؐ نے قرآنی عبارتیں تیار کیں، بہت بڑے جادوگر ہونے کے ساتھ ساتھ آپؐ (العیاذ باللہ) حد درجہ ظالم، سفاک، اور جنسی طور پر پراگندہ شخصیت کے حامل تھے۔ فرانسیسی مستشرق کاراڈی فوکس (Carra de Vaux) نے آنحضورؐ کی ذات گرامی کے بارے میں لکھا ہے کہ محمدؐ ایک لمبے عرصے کے لیے بلاد مغرب میں نہایت بری شہرت کے حامل رہے اور شاید ہی کوئی اخلاقی برائی اور خرافات ایسی ہو جو آپ کی جانب منسوب نہ کی گئی ہو۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسلام کی آمد سے کم وبیش آٹھ سو سال بعد تک مغربی ممالک میں اسلام کے خلاف نفرت ناکافی اور ادھوری معلومات کی بنیاد پر ہی پنپتی رہیں، مثال کے طور پر گیارہویں صدی عیسوی کے آواخر میں (Song of Roland) جو پہلی صلیبی جنگوں کے دوران ہی وضع کیا گیا، بہت مشہور ہوا، اسی طرح کی بیہودہ باتوں پر مشتمل تھا۔ (۱۴)

تحریک استشراق کے محرکات

تحریکِ استشراق کے معرض وجود میں آنے کا سب سے بنیادی محرک دینی تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیاسی، اقتصادی، علمی اور تحقیقی محرک بھی شامل تھے:

۱- **دینی محرک**: ''استشراق کا سب سے بڑا مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت وتبلیغ اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے کہ مسیحیت کی برتری اور ترجیح خود بخود ثابت ہو اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو۔ چنانچہ اکثر استشراق اور تبلیغِ مسیحیت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔'' (۱۵)

۲- **سیاسی محرک**: ''سیاسی محرک میں یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ اہل مغرب کا رویہ

اسلام کے متعلق شروع ہی سے معاندانہ چلا آ رہا ہے صلیبی جنگوں کی تلخ یادیں ابھی تک ان کے ذہنوں سے محو نہیں ہوئی تھیں‘‘(۱۶)

’’سیاسی محرک یہ ہے کہ مستشرقین عام طور پر مشرق میں مغربی حکومتوں اور اقتدار کا ہراول دستہ (Pioneer) رہے ہیں۔ مغربی حکومتوں کو علمی کمک اور رسد پہنچانا ان کا کام ہے۔ وہ ان مشرقی اقوام و ممالک کے رسم و رواج، طبیعت و مزاج، طریق ماند و بود اور زبان و ادب؛ بلکہ جذبات و نفسیات کے متعلق صحیح اور تفصیلی معلومات بہم پہنچاتے ہیں؛ تاکہ ان پر اہلِ مغرب کو حکومت کرنا آسان ہو۔‘‘(۱۷)

۳- **اقتصادی محرک:** ’’ان اہم مذہبی و سیاسی محرکات کے علاوہ قدرتی طور پر استشراق کا ایک محرک اقتصادی بھی ہے، بہت سے فضلاء اس کو ایک کامیاب پیشہ کے طور پر اختیار کرتے ہیں، بہت سے ناشرین اس بنا پر کہ ان کتابوں کی جو مشرقیات اور اسلامیات پر لکھی جاتی ہیں، یورپ اور ایشیا میں بڑی منڈی ہے، اس کام کی ہمت افزائی اور سرپرستی کرتے ہیں، اور بڑی سرعت کے ساتھ یورپ و امریکہ میں ان موضوعات پر کتابیں شائع ہوتی ہیں، جو بہت بڑی مالی منفعت اور کاروبار کی ترقی کا ذریعہ ہے۔‘‘(۱۸)

۴- **علمی اور تحقیقی محرک:** ’’بعض فضلاء مشرقیات و اسلامیات کو اپنے علمی ذوق و شغف کے ماتحت بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے لیے دیدہ ریزی، دماغ سوزی اور جفاکشی سے کام لیتے ہیں جس کی داد نہ دینا ایک اخلاقی کوتاہی اور علمی ناانصافی ہے، ان کی مساعی سے بہت سے مشرقی و اسلامی علمی جواہرات و نوادر پردۂ خفا سے نکل کر منظر عام پر آئے اور جاہل وارثوں اور ظالم لٹیروں کی دست برد سے محفوظ ہوگئے۔ متعدد اعلیٰ اسلامی مآخذ اور تاریخی وثائق ہیں، جو ان کی محنت و ہمت سے پہلی مرتبہ شائع ہوئے اور مشرق کے اہلِ علم نے اپنی آنکھوں کو ان سے روشن کیا۔‘‘(۱۹)

تحریک استشراق کے مقاصد

تمام یہود و نصاریٰ چونکہ اپنے آپ کو اللہ کی مقرب ترین قوم سمجھتے تھے اور آخری نبی کے متعلق وہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہوگا؛ مگر جب نبی کریم ﷺ بنو اسماعیل میں پیدا ہوئے تو یہود و نصاریٰ نے صرف حسد اور بغض کی وجہ سے آپؐ کی نبوت کا انکار کر کے نبی کریم ﷺ اور اسلام کے دشمن ہوگئے، اس طرح حضورؐ اور اسلام سے نفرت کا اظہار، مسلمانوں کو یہودی اور

عیسائی بنانے کی کوشش ،قرآن حکیم ، احادیث مبارکہ، عقائد وارکان اسلام کی نفی وتضحیک اور مناظرانہ ومقابلانہ کتب لکھ کر مسلمانوں کے دین کو جھوٹا اور پیغمبر اسلام کو (نعوذ باللہ) نبی کاذب ثابت کرنا ان کا مقصد بن گیا۔(۲۰)

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی تحریکِ استشراق کے مقاصد کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

۱- اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا۔

۲- عام مسلمانوں کو مسلم علماء سے بدظن کرنا۔

۳- ابتدائی مسلم معاشرے کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا۔

۴- اسلامی تہذیب کی تحقیر وتذلیل کرنا۔

۵- کتاب وسنت میں تحریف کرنا ،عبارتوں کو غلط مفہوم میں پیش کرنا اور حسب خواہش قبول یا رد کرنا۔(۲۱)

مستشرقین کے حدیث اور سیرۃ النبی ﷺ سے متعلق اہم مقاصد یہ ہیں:

۱- حدیث رسول ﷺ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا مستشرقین کا خصوصی ہدف رہا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حدیث نبوی ﷺ قرآن حکیم کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ جب قرآن حکیم کو وضاحت نبوی سے الگ کر دیا جائے تو مسلمان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے اور اس طرح وہ مسلمانوں کو ان کے اصل دین سے دور کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

۲- نبی ﷺ کی رسالت میں اس طرح تشکیک پیدا کرنا کہ آپ ﷺ صرف قرآن کے مبلغ ہیں۔ اور ان کا کام قرآن کے مکمل نزول کے ساتھ ختم ہوگیا ہے۔

۳- سادہ لوح مسلمانوں کو اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرنا کہ شریعت اسلامی یہودیت سے اخذ کردہ ہے، جیسا کہ گولڈ زیہر اور شاخت کا دعویٰ ہے۔

۴- فقہ اسلامی کی قدر وقیمت میں تشکیک پیدا کرنا۔

۵- اسلامی تہذیب وتمدن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر شکوک پیدا کرنا۔

۶- مسلمانوں میں اپنے علمی ورثے کے بارے میں یقین کو متزلزل کرنا اور ان کے صحیح عقائد میں شک پیدا کرنا۔

۷- حدیث نبوی ﷺ سے مسلمانوں کا رابطہ ختم کر کے اسلامی اخوت کا دائرہ اپنے اپنے ملکوں تک محدود کرنا۔(۲۲)

عبدالقدوس ہاشمی مجموعی طور پر ان کے مقاصد کو مختصراً یوں بیان کرتے ہیں ''مستشرقین کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہے، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ، استعمار کے لیے راستے کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفریق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ نہیں''۔ (۲۳)

''مستشرقین جنہوں نے سیرت نبوی ﷺ پر نقد وتنقید کی کوشش کی ہے، چوتھائی صدی تک اس فکر میں رہے کہ کسی طریقہ سے جمہور مسلمانوں کے اعتماد کو جو سیرت نبوی ﷺ پر قائم ہے ٹھیس پہنچائی جائے'' (۲۴)

مستشرقین کا طریق تحقیق

ابتداء میں مستشرقین کا طریقۂ کار یہ تھا کہ کھلم کھلا اسلام دشمنی کا اظہار کرتے تھے، ان کی کتب ورسائل، اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے عناد کا واضح مظہر تھے؛ لیکن جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کا طریقِ تحقیق ان کے خلاف نفرت وعناد کا باعث بن گیا ہے تو یہ لوگ تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں اترے اور مطلوبہ اہداف ومقاصد کو اس ذریعے سے حاصل کرنے لگے۔

یہ لوگ رسولِ کریمؐ کے محاسن کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں؛ مگر جب تاریخی حقائق کی بات آتی ہے تو اس کو مسخ کرکے پیش کرتے ہیں، اس طرح قاری کو تذبذب کا شکار کر دیتے ہیں اور ایسے نوجوان جو اپنی علمی ورثہ سے بالکل ہی ناواقف ہیں، وہ ان مستشرقین کی تحقیقات کو من وعن تسلیم کرنے لگے ہیں، اس کے علاوہ امت مسلمہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اور جدت پسند اذہان کو بہت حد تک تشکیک کا شکار کیا جاچکا ہے۔

مستشرقین کی تحقیقات کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ خود جو تحقیق کے لیے اصول پیش کرتے ہیں (یعنی غیر جانبداری، اور حقائق کو بعینہٖ تسلیم کرنا) ان کی نفی بھی خود اپنے رویہ سے کر دیتے ہیں، دوران تحقیق بارہا اپنے مفاد کی خاطر اپنے ہی اصول کو توڑتے ہیں اس طرح ان کی تحقیق کا ایک مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو جھٹلانے کے لیے خود ہمارے علمی ورثہ سے مواد اکٹھا کرتے ہیں، جو مواد ان کے خیال کے مطابق ان کے حق میں جاتا ہوا سے استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور انھیں کتب میں سے جو مواد ان کی اپنی آراء یا من چاہے

نتائج کے خلاف دلیل قطعی کی حیثیت رکھتا ہو، اسے یکلخت نظر انداز کر دیتے ہیں۔

❁ اس کے علاوہ اکثر اوقات مستشرقین کسی واقعہ کے متعلق اپنے ذہن میں پہلے سے ہی ایک مفروضہ قائم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں اپنے اس مذموم مفروضے کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھیں موضوع روایت بھی مل جائے تو وہ اسے استشہاد کے لیے غنیمت جانتے ہیں۔

❁ حدیث اور سیرت النبی ﷺ کے موضوعات پر ان احادیث کا سہارا لیتے ہیں، جو اکثر محدثین اور فقہاء کے نزدیک موضوع اور نا قابل اعتبار ہیں، جیسے قصۂ غرانیق اور فترت وحی کے حوالے سے کہ ان ایام میں (نعوذ باللہ) آپ ﷺ نے خودکشی کی بھی کوشش کی؛ بلکہ William Muir نے "The Life of Muhammad" میں "Seeks to commit suicide" عنوان قائم کیا ہے۔

❁ یہ مستشرقین بعض مرتبہ اپنے تعصب کی تسکین کے لیے تحقیق کے معیار سے اس قدر گراوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے قرآن وحدیث میں لفظی تبدیلیاں بھی کر دیتے ہیں۔ (۲۵)

مستشرقین مسلمانوں میں مختلف فیہ مسائل پر تحقیق نہیں کرتے جن کے حل ہونے سے مسلمانوں میں تفرقہ بازی کا خاتمہ ہو؛ کیونکہ ایسا کرنا ان کے اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے خلاف ہے، مستشرقین بعض اوقات خلوص سے؛ لیکن اکثر اوقات ریاکاری سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی حمایت کرتے ہیں؛ تاکہ وہ اس سے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر کے ان کے نزدیک اپنی تحقیقات کو مستند ثابت کر سکیں۔ ''پیغمبر اسلام کے متعلق مغرب کی عیسائی دنیا (مستشرقین) کی بحث وتحقیق اور ان کی تحریروں کا نچوڑ سب وشتم کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، جس میں کلیسائی دینی اور مذہبی شخصیات کے ساتھ غیر دینی اور لا مذہبی افراد بھی برابر حصہ لیتے رہے ہیں، اور یہ سیلاب آج تک رواں ہے۔ (۲۷)

استشراقی لٹریچر کے اثرات

عصر حاضر میں مستشرقین نے اسلام کے خلاف ایک اور محاذ کھول رکھا ہے اور ان کی کوشش ہے کہ کسی طرح اسلامی تعلیمات کو غیر عقلی اور غیر فطری ثابت کیا جائے اور یہ باور کروایا جائے کہ

اسلامی احکامات بنیادی انسانی حقوق سے متصادم اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہیں اور خلاف فطرت بھی ہیں، جب کہ حقیقت سراسر اس کے برعکس ہے۔(۲۸)

ان کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں "وقد يظن أن الأحكام الشرعية غير متضمنة لشيٍ من المصالح .... وهذا ظن فاسدٌ تكذبه السنة وإجماع القرون المشهود لها بالخير" بعض دفعہ یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ احکام شرعیہ کے اندر مصالح عباد کا لحاظ نہیں رکھا گیا... جبکہ یہ خیال بالکل غلط ہے جس کی قرآن، سنت اور خیر القرون کے اہل علم کا اجماع تکذیب کرتا ہے۔(۲۹) اس وقت یہ محاذ مسلمان اہل علم کی فوری توجہ کا متقاضی ہے۔

مستشرقین کا سب سے اہم ہتھیار جس سے انھوں نے مسلمانوں کو متاثر کرنا چاہا اس کا تعلق سیرۃ سے ہے، انھوں نے واقعات سیرت کا صحیح طور پر تجزیہ نہیں کیا، ان کی تحقیقات سے سیرت طیبہ کی اصلی روح مجروح ہوئی ہے اور دانستہ یا نادانستہ انھوں نے صداقتوں کا انکار کیا ہے اور سیرت نگاری کرتے ہوئے غلط فہمیوں کو جگہ دی اور لوگوں کو حضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں غلط تاثر دینا چاہا، سیرت نگاری کے متعلق غلط تاثر اور واقعات کو غلط طور پر پیش کرنے کے کے لیے کمزور روایتوں سے مدد لی "سیرت نبوی کی تدوین سے پہلے اس کے متعلق کچھ خیالات قائم کر لیتے ہیں پھر جب سیرت سازی شروع کرتے ہیں تو رطب و یابس ہر قسم کی روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں جس سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہو، وہ ضعیف یا شاذ کی پروہ نہیں کرتے؛ بلکہ انھیں ضعیف اور شاذ احادیث کو اپنے استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں"(۳۰) "اس میں کوئی شک نہیں کہ انصاف پسند مستشرقین بھی موجود ہیں؛ لیکن آٹے میں نمک کے برابر یا پھر وہ جو حق کی روشنی کو دیکھ کر اسلام کے قریب آئے اور پھر انھوں نے اسلام قبول کر لیا؛ لیکن مستشرقین کی ایک اکثریت اندھے تعصب میں گرفتار ہے، ان کا مقصد اسلام اور پیغمبر اسلام کی اہانت کے سوا کچھ نہیں"(۳۱)

مستشرقین نے اسلامی معاشرہ کی امتیازی خصوصیات کو ختم کر دیا ہے، امتیازی خصوصیات میں اسلام کا تشریعی، تعلیمی اور تربیتی نظام ہے، ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ شریعت اسلامیہ کو ناکارہ اور بے فائدہ بیان کریں اور اس کے قدیم مصادر و مآخذ میں شکوک وشبہات پیدا کریں؛ تاکہ مسلمان ان کی طرف رجوع ہی نہ کریں، مستشرقین کا ایک مذموم رویہ یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مختلف طبقوں، مثلاً قائدین، فاتحین اور علماء وغیرہ کی شخصیتوں کو مجروح اور ان کا مقام و مرتبہ کم کرنے کے لیے فرضی واقعات گھڑ لیتے ہیں اور ان کی بنیاد پر وہ ہر اس چیز کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں، جن کا

کوئی تعلق اسلام یا مسلمانوں سے ہوتا ہے۔

مستشرقین کے پیش نظر یہ بات بھی ہوتی ہے کہ جہاد کی تاویل وتوجیہہ کر کے مسلمانوں کو اس کی جانب سے غافل کر دیا جائے اور انھیں عافیت وآرام پسندی کا درس دیا جائے؛ تاکہ اسلام کی قوتِ مقابلہ پاش پاش ہو جائے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی سلطنتوں کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ''مستشرقین کے نام سے ایک مستقل گروہ نے عربی علوم وادب کی حفاظت واشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، ان کی یہ قابل قدر سرگرمیاں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ علوم ان کے نہ تھے؛ اس لیے وہ ہمدردی اور محبت جو مسلمانوں کو اپنی چیزوں سے ہوسکتی ہے ان کو نہیں ہے؛ اس لیے ان کی تحقیق وتدقیق سے جہاں فائدہ ہو رہا ہے، سخت نقصان بھی پہنچ رہا ہے، جس کی تلافی آج مسلمان اہل علم کا فرض ہے، ان میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اپنے مسیحی اور مغربی نقطۂ نظر سے اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب وتمدن پر بے بنیاد حملہ کر رہا ہے، قرآن مجید، حدیث وتصوف، سیر ورجال، کلام وعقائد سب ان کی زد میں ہیں، نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے اس رنگ کے لٹریچر سے اسلام کو کس قدر نقصان پہنچا ہے اور پہنچے گا، اگر یہ زہر اسی طرح پھیلتا رہا اور اس کا تریاق نہیں کیا گیا تو معلوم نہیں کس حد تک مسلمانوں کے دماغوں میں سرایت کر جائے'' (۳۲)

ایڈورڈ سیدان مستشرقین کے منصوبوں کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں ''شرق شناسی ایک شعبۂ علم ہے، جس کی بنیاد پر مغرب میں مشرق کے بارے میں ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایک رویہ متعین کیا جاتا ہے اور ایک نقطۂ نظر قائم کیا جاتا ہے گویا حصول علم، اور نئی کتابیں (مشرق کے بارے میں) دریافت کرنے کا ذریعہ ہے، پھر اس پر عملی کام بھی ہوتا ہے، اس کے علاوہ میں اس لفظ کو خوابوں، تصورات، خاکوں اور مجموعۂ الفاظ جو ہر کسی کے لیے ہیں اور مشرق سے متعلق مواد کا حامل سمجھتا ہوں۔ (۳۳)

مستشرقین کے تلامذہ جو کہ اب ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، اور ان مستشرقین ہی کے دماغ وعقل سے سوچتے ہیں، وہ اس لحاظ سے نسبۃً زیادہ خطرناک ہیں کہ وہ مسلمان ہوتے ہیں، ان کی تحقیقات وتالیفات مسلمانوں کے حلقوں میں بہت جلد پہنچ جاتی ہیں اور وہ جو کچھ لکھتے ہیں ان پر اعتماد بھی کر لیا جاتا ہے، ایسے افراد کی تحریروں کا احاطہ کر کے تدارک بھی ضروری ہے۔

مستشرقین عام طور پر اپنی تحریروں میں یہ رویہ اپناتے ہیں کہ پہلے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق بڑے فیاضانہ انداز میں تعریفی کلمات کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، جس سے اندازہ ہونے لگتا ہے

کہ مصنف بڑے اچھے انداز میں اسلام کی تشریح پیش کررہا ہے، اس کے بعد اسلام کے خلاف ایسی بات کرتے ہیں جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف ہوتی ہے، سابقہ تعریفی کلمات کی بنیاد پر عام قارئین اس بات سے متاثر ہوجاتے ہیں۔

مستشرقین کی ان انتھک متحدہ کوششوں سے وہ علمی سرمایہ معرض وجود میں آیا ہے کہ آج مشرق ومغرب کے ادنی طالب علم سے لے کر بڑے مصنّفین تک جب بھی کوئی کسی موضوع پر کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کسی حد تک ان مستشرقین کی تصنیف کردہ کتابوں سے استفادہ کرنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ مسلم ہے اور اس کا ضمیر اس کی اجازت بھی نہیں دیتا؛ مگر اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار بھی نہیں ہے۔

مستشرقین کا سب سے خطرناک ارادہ اور منصوبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا دل ودماغ توحید، اخلاق، روحانیت اور ایمان سے عاری ہوکر اس تیز وتند ہوا کے سامنے آجائے جو تعلیم، صحافت، ادب، فلم اور لباس وغیرہ کے راستہ سے عام ہورہی ہے، ان چیزوں کے مسموم اثرات سے ایسی نسل تیار ہورہی ہے، جو تخریب اور بربادی کی طرف اس کو ترقی وتمدن کا نام دے کر چلی جارہی ہے اور اسلامی تاریخ وتہذیب اور اس کے اصول ومبادی کو مسخ کرکے مستشرقین ومبلغین کی پیروی کررہی ہے اور ان ہی کی طرح اس دور کو حقیر اور کمتر خیال کررہی ہے، جو تاریخ عالم کی نمایاں اور مفید خدمت انجام دے چکا ہے، اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کے ناقص اور فروتر ہونے کا احساس وشعور پیدا کررہی ہے۔

مستشرقین ایسے رہنماؤں اور قائدین کو نمایاں اور ممتاز قرار دیتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے قائدانہ اوصاف اختیار کرنے کے بجائے فکری، اعتقادی اور اجتماعی حیثیت سے مغربی قائدین کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

مستشرقین علماء عرب اور دنیائے اسلام کو پس ماندگی اور بدحالی سے ہمکنار کرکے اس پر اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ ان کی پس ماندگی کا سبب اسلام کی پیروی اور محمد ﷺ کی اقتداء ہے، اس کے لیے وہ بے شمار الزامات گھڑتے ہیں۔ مستشرقین نے ایک منصوبے کے تحت حقائق کو اپنے زوایہ نگاہ سے دیکھا اور مختلف جہتوں سے الزام تراشی کی اور انھوں نے جو خاص طرز وانداز اپناتے ہوئے غلط، بے بنیاد قصے کہانیاں اور روایتیں نقل کی ہیں اس سے عوام کے ساتھ خاص لوگ جن کا اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، وہ بھی متاثر نظر آتے ہیں،

ہمارے علمی حلقوں کا اس طرح متاثر ہونا بڑے خطرے کی علامت ہے، جو کہ آنے والی نئی نسل پر بدترین اثرات مرتب ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔

نومسلم یورپی مفکر محمد اسد نے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے اثرات ونتائج کا جائزہ لیا ہے ان کی آرا، میں مستشرقین (قدیم و جدید کی کاوشوں اوران کے خیالات وتصورات نے عام مغربی ذہنوں کو مسموم کر دیا ہے؛ چناچہ ان کی (ان کے علاوہ دیگر مسلم مفکرین کی بھی) تحریریں مغرب میں اسلام کی دعوت وتبلیغ اوراس کی تفہیم کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئی ہیں، ان مستشرقین کی نگارشات کے زیراثر عام یورپی وامریکی افراد اسلام کی کسی طور پر درخوراعتنا نہیں گردانتے، وہ اسلام اوراس کی روحانی اخلاقی تعلیمات کو کسی بھی نقطۂ نگاہ سے کچھ زیادہ وقیع اور قابلِ احترام نہیں سمجھتے، نہ وہ اسے عیسائیت اور یہودیت سے موازنہ کے قابل خیال کرتے ہیں، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

تحریک استشراق کا سب سے بڑا نقصان جوملت اسلامیہ کو ہوا وہ یہ کہ مسلم امت میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا جو مستشرقین کو اپنا سب سے بڑا خیرخواہ سمجھتا ہے اور ہماری زبان، تہذیب، تاریخ اور جملہ مشرقی علوم کو محفوظ رکھنا مستشرقین کی علم دوستی اور بےلاگ تحقیق کی دلیل سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے آج قومی سوچ یہ بن گئی ہے کہ ہمارے نزدیک قابلِ اعتماد بات وہ ہوتی ہے جو کسی مستشرق کے قلم سے نکلی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ مستشرقین کو اپنا مخلص قرار دیتے ہیں تو پھر ان کی کسی تحریر کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا ممکن ہی نہیں رہتا، ہماری اس سوچ کی وجہ سے ہمارے عوام وخواص کی اکثریت ان اصل عزائم ومقاصد سے بےخبر ہے جن کے تحت مستشرقین علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے، اس صورت حال سے مستشرقین زبردست فائدہ اٹھارہے ہیں اور وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کے ردعمل کے خطرے کے بغیران کے دین، ان کے معزز رسول ﷺ اوران کی ہر مقدس شے پر مسلسل وار کررہے ہیں۔(۳۵) مستشرقین سے متاثر لوگوں کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ مستشرق خواہ کیسا ہی انصاف پسند ہو اور اسلام کی رفعت وعظمت کا دل وجان سے قائل ہو، وہ بہرحال غیرمسلم ہے، اس بنا پر وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا مطالعہ جس نقطۂ نظر سے کرتا ہے، وہ بلاشبہ کسی مسلمان کا نقطۂ نظر نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ان سے خیر کی توقع کم ہی رکھنی چاہیے، اور نہ ہی کسی ہمدردی کی۔ مستشرقین کے مکروفریب سے بچنا خاصا مشکل ہے، وہ علم کا لباس پہن کر اور تحقیق کا لبادہ اوڑھ کر آتے ہیں تو اچھے خاصے پڑھے لکھے اور سمجھ دار مسلمان بھی دھوکہ کھا جاتے

ہیں اور ان سے متاثر ہو کر ان کی کاوشوں اور تحقیقی کاموں کی داد دینے لگتے ہیں۔ اور اس تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے کہ اب مستشرقین کے بجائے یہی لوگ اس کام کو سرانجام دے رہے ہیں، اسی کے متعلق اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

استشراق کے ان علم برداروں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے ان کو ''مستغربین'' کا نام دیا ہے، مستشرقین نے اسلامی تعلیمات کے وقار کو مجروح کیا اور اسلام کے بارے میں شک وشبہ کی ایک ایسی فضا پیدا کردی، جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے اندر سانس لینے والا مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے آپ کو احساسِ کمتری کا شکار سمجھنے لگا، اسلامی ملکوں میں جہاں کی مادری زبان عربی ہے، عربی کی اہمیت گھٹا کر وہاں کے باشندوں کو مقامی زبانوں کے زندہ کرنے کے دام میں پھنسایا جاتا ہے؛ تاکہ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر عربی زبان بھول جائیں اور قرآن کے سمجھنے والے باقی نہ رہیں، اس وقت ان کے خیالات اور رجحانات کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا جائے، استشراق ایک بہت بڑا فتنہ ہے، جس کے مضر اثرات سے ہر میدان میں نئی نسل کے مسلمان نوجوان کو بچانا ضروری ہے، مستشرقین سے بڑھ کر خطرہ ان کے شاگرد مستغربین کا خطرہ ہے جو مسلمانوں کے لباس میں ملبوس ہو کر ہمارے تعلیمی اداروں میں ان مستشرقین کے نظریات وخیالات اور تحریفات وخرافات پھیلاتے اور نوجوان طلبہ کے ذہن مسموم کرتے ہیں۔

نتائج بحث

مستشرقین کا اصل مقصد تحقیق کے لبادے میں اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے اس مقصد کے لیے انھوں نے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا اور میکاؤلی کا یہ اصول ''کہ مقصد عظیم ہو تو اس کے حصول کے لیے ہر ذریعہ استعمال کرنا جائز ہے'' کا انھوں نے خوب استعمال کیا؛ حالانکہ میکاؤلی نے یہ اصول سیاستدانوں کے لیے وضع کیا تھا؛ لیکن یورپ کے اربابِ قلم وقرطاس نے اس اصول سے خوب فائدہ اٹھایا اور قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ میں شک وشبہات پیدا کیے اور خیالاتِ فاسدہ وافکار باطلہ کو تحقیق کی آڑ میں پھیلانا شروع کردیا۔

مستشرقین کی اس ساری تحقیق کا مقصد اسلام کے پیروں کاروں میں تشکیک کے بیج بونا تھا تاکہ قلم وقرطاس کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں کو فتح کر کے ان پر حکومت کی جائے اور اقتصادی

ومعاشی وسائل پر قابض ہو کر اہل اسلام کو ممکن حد تک کمزور کر دیا جائے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے مستشرقین نے اہم ہتھیار کے طور پر سیرۃ طیبہ کو استعمال کیا ہے، دوران سیرت نگاری صرف تصویر کے اس رخ کو نمایاں طور پر پیش کیا جس میں ان کی نظر کے مطابق کوئی خامی یا کمی تھی اور لوگوں کو غلط تاثر دینے کے لیے کمزور، موضوع اور رطب ویابس ہر قسم کی روایتوں سے مدد لی۔

مستشرقین نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حقائق کو اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھا، مختلف جہتوں سے الزام تراشی کر کے غلط، بے بنیاد قصے کہانیاں اور روایتیں نقل کر دی ہیں جس کی وجہ سے عوام کے ساتھ خواص جن کا اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے وہ بھی متاثر نظر آتے ہیں۔

سفارشات

❁ اسلام انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا دین ہے، جو ہر طرح کے حالات اور تبدیلیوں میں اپنی افادیت اور ضرورت کو برقرار رکھے گا، یہ ایک انقلابی دعوت ہے جس کے گہرے اور دوررس اثرات مادی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر ازل تک مرتب ہوتے رہیں گے، لہٰذا مدلل اور تقابلی انداز میں اس کی حقانیت کو واضح کرنا دورِ حاضر کی اہم ضرورت ہے۔

❁ مستشرقین کا اہم ہتھیار سیرۃ طیبہ ہے جس کو گدلا کرنے کے ساتھ مسلمانوں میں تشکیک پیدا کی گئی ہے؛ اس لیے سیرت طیبہ کے ذخیرۂ کتب کو از سرنو مرتب کیا جائے اور مستشرقین کے اعتراضات کو نقل کر کے پڑھنے والوں کے لیے تشفی بخش سامان مہیا کیا جائے۔

❁ مستشرقین کی وہ کتب جو تحقیق کے قواعد وضوابط پر پورا نہیں اترتیں، ان کی نشاندہی کی جائے اور ان کی نشر واشاعت پر پابندی لگائی جائے۔

❁ عام مسلمانوں کے لیے شریعت اسلامیہ کے تشریعی، تعلیمی اور تربیتی پروگرامز کرائے جائیں، اور دینِ اسلام کی تشریح عام فہم انداز میں بیان کی جائے۔

❁ مسلم اسکالرز جو مستشرقین سے متاثر ہو کر قلم وقرطاس کے ذریعے سے مستشرقین کے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں، ان کی تحریر وتقریر کو مستند اہلِ علم سے تصدیق کے بعد ترویج واشاعت کی اجازت دی جائے۔

❁ تعلیم، صحافت، ادب اور میڈیا کے تحت اسلام، پیغمبر اسلام کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈا پر سختی سے پابندی لگائی جائے۔

❁ حکومتی سطح پر عربی زبان کی ترویج وترقی ہو؛ تاکہ ہم اپنے حقیقی ورثہ کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ رکھ کر قابلِ استفادہ بنا سکیں۔

❁ سیرۃ النبیؐ کی اہم عربی واردو کتب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کروایا جائے؛ تاکہ انگریزی خواں جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔

❁ مستشرقین سے متاثر لوگوں کو ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ مستشرق خواہ کیسا ہی انصاف پسند ہو اور اسلام کی رفعت وعظمت کا دل وجان سے قائل ہو وہ بہرحال غیر مسلم ہے، اس بنا پر وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا مطالعہ جس نقطہ سے کرتا ہے، وہ بلاشبہ کسی مسلمان کا نقطۂ نظر نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ان سے بھلائی وخیر کی امید کم ہی رکھنی چاہیے۔

❁ عہدِ حاضر کی اشد ضرورت ہے کہ پورے استشراقی لٹریچر کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور اس کو مکمل اور باضابطہ طور پر علمی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا جائے، اور ان مسلمان مصنفین کی تحریروں کو بھی، جن کے طرز فکر میں مستشرقین کے خیالات کا عکس جھلکتا ہے، ان کی تحریروں کا جائزہ لے کر علمی تلبیسات وتدلیسات کو واضح کیا جائے۔

❁ اسلام سے متعلق اسکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک طلبہ کے لیے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ایسی کتب تیار کروائی جائیں جو تعلیمی نصاب کا حصہ بن سکیں۔

❁ آج کے دور میں تحقیق سے آراستہ اور جدید اسلوب اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ہر زبان میں کتابیں لکھیں جائیں؛ تاکہ نئی نسل کو مستشرقین کے گمراہ کن نظریات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

❁ تصنیف وتالیف کا تمام کام علمی معیار، موجودہ تحقیق اور جدید اصولوں کے عین مطابق ہو؛ تاکہ ان کتابوں کا مطالعہ مسلم وغیر مسلم سب کے لیے یکساں طور پر مفید ہو۔

❁ مستشرقین کے اعتراضات کا سدباب کرنے کے لیے مطالعہ میں وسعت وگہرائی اور استدلال کے ساتھ تحمل مزاجی بھی پیدا کی جائے۔

❁ دور حاضر کی زبان اور محاورے میں دین کی تعبیر وتشریح عام فہم انداز میں بیان کی جائے اور اس میں ان لوگوں کی تشفی کا سامان بھی موجود ہو جو استشراقی لٹریچر سے متاثر ہو چکے ہیں۔

❁ اسلامی ممالک میں تحقیق کے جدید مراکز قائم کیے جائیں جس میں مستشرقین کے اعتراضات واثرات کا جواب کتب مضمون نگاری اور انٹرنیٹ کو استعمال میں لاتے ہوئے دیا جائے۔

❁ اسلامی ممالک میں جدید خطوط پر استوار مراکز کے تحت مستشرقین کے عنوان پر سیمینارز کروائے جائیں۔

❁ یونیورسٹیوں اور اسلامک سٹڈیز کے شعبوں کے سربراہ اور اساتذہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ ان کے طالب علم مستشرقین کے مراجع پر اعتبار نہ کریں۔

مسلمان مترجمین جب مستشرقین کی کسی کتاب کا ترجمہ کریں تو اس میں قابلِ اعتراض عبارتوں کے جوابات دینے میں تساہل کا مظاہرہ نہ کریں۔

❁ اس زہر قاتل کا تریاق مہیا کرنا، اس وقت علمِ دین اور دینِ اسلام کی بہت بڑی اور نہایت ضروری خدمت ہے۔

❁ ❁ ❁

حوالہ جات

(۱) اصلاحی، شرف الدین، مستشرقین، استشراق اور اسلام، ص ۴۸، معارف دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۶ء۔

(۲) عبدالحق، دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری، ص ۹۶۷، انجمن اردو پریس، دکن ۱۹۳۷ء۔

(۳) The Oxford Dictionary of English, The biologolical Society, V.2 Page,200.

(۴) بذیل مادہ: ش رق Dictionery of Modern Written Arabic Han's wahr

(۵) ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب ۱۰/۱۷۴، دار صادر بیروت۔

(۶) البعلبکی، منیر، المورد، بذیل مادہ: ش۔ر۔ق۔

(۷) فرخ، عمر ''الاستشراق، مالہ۔ وماعلیہ'' الاستشراق والمستشرقون (عدد خاص، مجلّہ المنھل، عدد ۴۷۱) اپریل / مئی ۱۹۸۹ء، ص ۱۵۔

(۸) Said, Edward W, Orientalism, Routedge & Kegan Paul London, 1978 p.21

(۹) الندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۔۱۶۔

(۱۰) اسلام اور مستشرقین، ۶/۲۵۸، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی (الہند)۔

(۱۱) المنجد فی اللغۃ والاعلام، ص ۳۸۴، طبع الثالثۃ والعشرون، المکتبۃ الشرقیۃ، بیروت لبنان۔

(۱۲) نثار احمد، ڈاکٹر، مستشرقین اور مطالعہ سیرت، نقوش ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۵ء، ۱۱/۴۹۴۔

(۱۳) ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد، ص ۲، القاہرہ مکتبۃ نہضۃ المصریہ ۱۹۷۴ء۔

(۱۴) اکرم، ڈاکٹر محمد، استشراق، ص ۵۶۷، تکملہ دائرہ معارف اسلامیہ، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۲ء، مادہ شرق۔

(۱۵) السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، الاسلام والمستشرقون، مترجم مولانا سلمان شمسی ندوی، ص ۱۲، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۱ء۔

(۱۶) Asad. Muhammad,Islam at the crossroads. Lahore. Arfat Publication.1995. P-74
(۱۷) سباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، الاسلام والمستشرقون، مترجم مولانا سلمان شمسی ندوی، ص ۱۳، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۱ء۔
(۱۸) نفس المصدر، ص ۱۳۔
(۱۹) نفس المصدر، ص ۱۴۔۱۳۔
(۲۰) ثناءاللہ، قرآن کے بارے میں مستشرقین کے نظریات اور چند اعتراضات کا تنقیدی جائزہ، ص ۱۴۸، القلم ۲۰۰۹ء۔
(۲۱) السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، مترجم غلام احمد حریری، ص ۴۶۶، ۴۶۷، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۶ء۔
(۲۲) ظفر، ڈاکٹر عبدالرؤف، علوم الحدیث فنی فکری تاریخی مطالعہ، ص ۹۱۶، ۹۱۷، ادارہ نشریات لاہور ۲۰۰۹ء۔
(۲۳) ہاشمی، عبدالقدوس، ماہنامہ فکر ونظر، ص ۴۴۰، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۶۹ء۔
(۲۴) السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، المستشرقون والاسلام، مترجم مولانا سلمان شمسی ندوی، ص ۸۷۔
(۲۵) ابن ہشام، عبدالملک، سیرۃ النبی، ۱/۳۰۱، ناشر، دارالجیل بیروت، ط ۱/۱۴۱۱ھ۔
(۲۶) Khan,Sir Syed Ahmed, A series of Essays on the life of Muhammad, p.387, Premier Book House, Lahore,1968.
(۲۷) ثانی، ڈاکٹر محمد، رسول اکرم اور رواداری، ص ۲۱۳، فضلی سنز لمیٹڈ کراچی ۱۹۹۸ء۔
(۲۸) میرٹھی، مولانا بدر عالم، ترجمان السنۃ ۳/۱۲۱، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔
(۲۹) دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ ۱/۱۵، دارالمعرفۃ بیروت، ط:۲، ۲۰۰۴ء۔
(۳۰) ظفر، ڈاکٹر عبدالرؤف، اسوہ کامل، ص ۲۵، نشریات اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹ء۔
(۳۱) بدایونی، محمد اسماعیل، استشراقی فریب، ص ۵۲، اسلامک ریسرچ سوسائٹی کراچی، طبع، جولائی ۲۰۰۹ء۔
(۳۲) اسلام اور مستشرقین ۵/۴۔
(۳۳) سعید، ایڈورڈ، شرق شناسی، ص ۸۵، مترجم، ط، ا ۲۰۰۵ء، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان۔
(۳۴) محمد ارشد، اسلام اور مغرب، ص ۳۳، فکر ونظر، اپریل۔جون ۲۰۰۶ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔
(۳۵) الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبیؐ، ۶/۲۳۴، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

❁ ❁ ❁